

گفتگو

iqbalkalmati.blogspot.com

مونگ بھلی کا لافند اختر نے پکڑ رکھا تھا۔ ندیم نے ہاتھ بڑھا کر دو چد مونگ پھلیاں نکالیں انہیں پھیلا اور دونوں کو ہتھیلی میں سسل کر نہایت اطمینان سے پھونک ماری۔ بیشتر پھلکے اڑ کر سلسے کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی لڑکی کی ساڑھی پر جا گرے۔ لڑکی نے گھوم کر ندیم کی طرف دیکھا

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟ وہ چشمکین نگاہوں سے گھومتے ہوئے بولی۔

”بد تمیزی نہیں غترمہ۔ مونگ پھلی۔ فرش فرمایئے“ ندیم نے اختر کے ہاتھ سے لافندے کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”شٹ اپ“ لڑکی نے کہا اور منہ پھیر لیا۔

”پتہ نہیں سینا ہال میں یہ گندگی پھیلاسنے کی اجازت کیوں دے دی جاتی ہے؟ لڑکی اپنی سہیلی سے مخاطب تھی۔

”اختر بھیا۔ شٹ اپ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ندیم نے پوچھا۔

”سلیس اردو میں اس کا مطلب ہے بکواس بند کرو“ اختر نے جواب دیا۔

”مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”میں نہیں یہ سامنے والی مائی پوچھ رہی تھیں“ ندیم نے سادگی سے بتایا مگر دشواری یہ ہے کہ بکواس بند کرنے کے لئے منہ بند کرنا پڑتا ہے اور بند منہ سے مونگ بھلی کھانا تقریباً ناممکن ہے۔

”میرا خیال ہے تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ مائی جی نے بک اپ

کہا ہو گا؟“

”مگر یا بکواس جاری رکھی جائے؟ ندیم جلدی سے بولا۔

۴
 ”کچھ لوگ اس وقت تک باز نہیں آتے جب تک سر پر دو چار سینڈل نہ
 پڑ جائیں، ساڑھی والی لڑکی اپنی ہسیلی سے کہہ رہی تھی۔
 تم ان کی باتوں پر توجہ ہی کیوں دیتی ہو؟ ہسیلی نے جواب دیا: ”جتنا تم چڑھو
 دو اتنا ہی اور چڑھائیں گے۔ گدھے رینگ رہے ہیں تو رینگنے دو تمہاری جلتے۔“
 اس وقت ہال کی روشنیاں گل ہو گئیں اور اسکیرین پر سلائیڈ دکھائی جانے لگیں۔
 ساڑھی والی لڑکی نے بال اس امان سے بنا سکے تھے کہ سر پر دس بارہ اونچا اونچا ہونگا
 تھا پھر شرور ہوا تو ندیم کو صرف نصف پر دس ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ فلا سادا اپنی
 طرف جھک گیا۔ لڑکی بھی ادھر ہو گئی۔ ندیم بائیں جانب ہوا تو ازراہ شرارت یا اتفاقاً
 لڑکی بھی اس طرف آگئی اور اپنی ہسیلی سے کچھ باتیں کرنے لگی۔
 ”یار تم سے سیدھا نہیں بیٹھا جاتا؟“ اختر نے کہا۔ ”کیا بار بار پہلو بدل رہے ہو؟“
 ”پہلو نہیں بدل رہا ہوں بھیا مختلف زاویوں سے اسکیرین تلاش کرنے کی
 کوشش کر رہا ہوں۔ کیا پھر شرور ہو گئی؟“
 ”پھر شرور ہو گئی؟“ اختر نے حیرت سے دہرایا: ”جناب وہاں ایک ریل
 ٹرک چکی ہے۔ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہو کیا؟“
 ”آنکھیں تو کھلی ہیں مگر نگاہ کو گند نے کا راستہ نہیں ملتا۔ درمیان میں سے لڑکی
 کی چوٹی حائل ہے۔“
 ”لاحول ولاقوتہ۔ کیسے کوہ پیا ہر کہ ایک معمولی چوٹی طس نہیں کر سکتی۔“
 ”یہ ہی کرنا پڑے گا“ ندیم نے ایک گہری سانس لی اور آگے کی طرف جھک کر
 ساڑھی والی لڑکی کے کان میں بولا۔
 ”خیر مہا آپ یہ ٹھہری صورت انا کہہ کر گود میں نہیں رکھ سکتیں۔ آپ کی قسم مجھے
 کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔“
 لڑکی جھٹکا کر کھڑی ہو گئی۔ ”آپ لوگ شرافت سے نہیں مانیں گے۔“ اس
 نے تیزی سے کہا اور چلنے لگی۔ آس پاس کے لوگ چونک کر اس طرف

دیکھنے لگے تھے

”کہاں جا رہی ہر سہیلی نے پوچھا۔
 ”منیجر کے پاس“ سارہ صیالی نے جواب دیا۔
 ”کی معاملہ ہے خاتون“ قریب نشست سے کسی نے پوچھا۔
 ”دیکھئے بھائی صاحب یہ فٹ سے بہت در سے ہے، سچے پڑے ہوئے
 ہیں“ سہیلی نے شکایت کی۔
 ”کیوں جناب“ وہ صاحب دھیرے میں ندیم کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے
 ہوئے بولے۔

”ہاں جناب“ ندیم نے گردن ہٹائی:
 ”آپ کو شرم نہیں آتی؟“
 ”آتی ہے۔“

”تو پھر..... پھر آپ کیوں ان سٹیجے پڑے ہوئے ہیں۔“
 ”اسی لئے کہ ہمارے ٹکٹوں پر یہ ہی سیٹ نمبر لکھا ہے“ ندیم نے
 جواب دیا۔

آخر نے تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام لوگ پھلی کے چھلکے سیٹ
 کر دونوں لڑکیوں کی سیٹ کے نیچے بکیر دیئے اور لوگ سہیلیوں کا لحاظ بھی بڑی
 صفائی سے سہیلی کی نشست پر رکھ دیا۔ اسی وقت وہ لڑکی منیجر کو ساتھ لے کر واپس آئی
 سینا بڑا عجیبی اور دیکھنے والے مہذب و تعلیم یافتہ تھے۔ چنانچہ یہ لڑکی صرف
 ان ہی دو چار سیٹوں تک محدود تھی۔

”آپ لوگ خدا باہر آئیے“ منیجر نے جھک کر آہستہ سے کہا۔
 ”کیوں“ ندیم نے پوچھا۔

”آپ ان شریف خواتین کو پریشان کر رہے ہیں۔“
 ”ایک منٹ منیجر صاحب کون کس کو پریشان کر رہا ہے۔ یہ بات ابھی آپ کی کج

میں آجائے گی۔" ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا "آپ ذرا یہاں میری سیٹ پر بیٹھ جلیے۔"
 ندیم نے میجر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کرسی پر بٹھا دیا۔
 ہم دو محترمہ اب آپ بھی اپنی جگہ تشریف رکھیں، ندیم نے ساڑھی والی سے
 کہا۔ لڑکی ہچکچائی۔

"آپ اپنی سیٹ پر بیٹھیں میں ان لوگوں سے ابھی بیٹھ لیتا ہوں۔" میجر نے
 کہا۔ لڑکی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔
 "اب آپ کو زحمت نہ ہو تو مجھے یہ بتا دیجئے کہ اس وقت اسکرین پر کیا ہو رہا
 ہے؟" ندیم نے میجر سے کہا۔

ساڑھی والی لڑکی کے بال واقعی بہت اونچے تھے۔ میجر نے نگاہ اٹھائی تو
 تقریباً پورا اسکرین چھپا ہوا تھا۔

ہووا اس طرف ہو جائیے، میجر نے بے ساختہ لڑکی سے کہا۔
 "بس جناب یہ ہی درخواست میں نے ان محترمہ سے کی تھی۔" ندیم نے
 سادگی سے بتایا۔ اس پاس کے لوگ ہنسنے لگے۔

میجر بھی مسکراتا ہوا اٹھا۔ "آپ دونوں پھلی سیٹ پر آجائیں۔" اس نے
 لڑکیوں سے کہا۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ میجر صاحب ساڑھی والی اس
 خشک پر تمسک کر بولی "یہ ہمارے اد پر مزگ پھلی کے چھلکے بھی پھینک رہے تھے؟"
 میجر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹاپ پرچ کی روشنی لڑکیوں کی سیٹ پر ڈالی۔
 اسے مزگ پھلیوں کا لحافہ نظر آگیا اور بچے گرے ہوئے چھلکے بھی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے لحافہ اٹھایا۔

"او دیکھا آپ نے میجر صاحب؟" اختر جلدی سے بولا "مزگ پھلیاں ان کی
 سبیلی کھا رہی تھی۔ شرارت اس نے کی ہرگی اور نام ہلا لیا جا رہا ہے۔ یہ آج کی
 لڑکیاں اسی طرح تو شریف نوجوانوں کے گھرے پڑ جاتی ہیں۔"
 "آپ مزگ پھلی سیٹوں پر آکر بیٹھ جائیں۔" میجر نے خشک لہجہ میں کہا اور

ندیم کی طرف دیکھ کر بولا "معاف کیجئے گا میں نے آپ کو بلا وجہ پریشان کیا ہے۔"
اب یہ کہہ کر وہاپس چھو گیا۔ دونوں لڑکیاں خاموشی سے پیچھے آکر بیٹھ گئیں۔
آخر اسے ندیم آگے چلے گئے۔

اتفاق سے وہ اس کلاس کی سب سے کھلی قطار تھی ورنہ پھر اس کے بعد
والے لوگوں کو شکایت پیدا ہو جاتی۔

"دیکھ لیجئے جناب" ندیم نے ان صاحب سے کہا جنہوں نے پہلے باز پرس کی
تھی اب یہ لڑکیاں ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہیں یا نہیں ہیں؟

ندیم نے آہستہ سے مین گیٹ کھولا اور دو بے باتوں برآمد سے کی بیڑھیوں
کی طرف چلا پہلی بیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے غراہٹ مٹائی کلا پٹ کر دیکھا تو مرنے
کو لڑا دم ہار رہا تھا۔

"سشش" ندیم ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے بولا "کیا آج پھر ٹانٹ پڑوانے
کا ارادہ ہے۔ چل بھاگ؟"

ضعف مورتی نے آہستہ سے آواز نکالی:
"کمال ہے یعنی اب گھر کے کتے بھی باز پرس کرنے لگے ہیں؟" ندیم بڑبڑایا
بیڑھیاں چڑھنے لگا۔

برآمد سے مین دونوں طرف کے کمرے تار یک نظر آ رہے تھے۔ بیچ صاحب
کے کمرے سے گزر کر ندیم نے طینان کی سائنس لی لکائی کمرے کا دروازہ کھولا اور بیچ
صاحب میلنگ گونپنے برآمد ہوئے ان کے سیدھے ہاتھ میں ایک ہتلی سی
ٹری دی ہوئی تھی۔

ندیم نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ ہینڈل تو گھوم گیا مگر دروازہ
میں کھلا صاف ظاہر تھا کہ اندر سے چٹخنی لگا دی گئی ہے ندیم نے براہِ مہر کی کھڑکی پر آواز
دروازہ اندر سے بند ہونے کا مطلب تھا بیچ صاحب اندر نہیں بنے مجھ کو کھڑکی پر

کسی چھوڑی ہوئی عہدیم نے سوچنے کے اٹھان میں سر کھپایا، اب صرف ایک ہی راستہ تھا
اسٹڈی روم سے نکلنا گھر یا شیر کی کچال سے گزرتا تھا کہ اس کے برابر ہی بیچ صاحب
لاکرو تھا۔ گھر اور چارہ بھی کی تھا، ساری رات برآمدے میں تو نہیں گزری جاسکتی
تھی۔ ندیم واپس پٹانج صاحب جلدی سے ایک ستون کی آڑ میں سر گھٹے، ندیم اسٹڈی
روم کی طرف چلا تو بیچ صاحب اس سے ایک قدم پیچھے تھے۔

اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور بیچ صاحب اس کا کان
پکڑنے کے لئے تگے بڑھے۔ کمرے کے باہر لگا ہوا بجلی کا سوئچ تقریباً کان کی
اوپر پائی پر تھا۔ ندیم قدم بڑھا کر اندر داخل ہو گیا اور بیچ صاحب ہاتھ میں آئے
ہوئے بجلی کے سوئچ کو گھومتے رہ گئے۔ دانت بیتے ہوئے وہ آگے بڑھے تو ندیم
اسٹڈی روم کے دوسرے دروازے کا پردہ اٹھا کر کھڑی کھول رہا تھا۔ قریب بیچ
کر بیچ صاحب نے چھوڑی لہرائی، کھڑی کھول چکی تھی۔ ندیم پردہ چھوڑ کر دوسری طرف
گیا تو بیچ صاحب کی چھوڑی پر زور سے ہاتھ بٹھکی ہوئی تھی۔
ندیم نے ہاں کر مصلیٰ اٹھائے غارت پرڑھتے دیکھا۔ اس کے قدم دک گئے، انہوں

نے سہم پھرا اور وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

”ذرا مجھ پر بھونک دیجئے امی“ وہ بولا۔

”کیوں خیریت“ وہ پوچھتے ہوئے مسکرائیں۔

”میرے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور میں صاف طور سے فضا میں

کون خطرے کی بھوس کر رہا ہوں؟“ ندیم بڑھے بسے چرتے لہجہ میں بول رہا تھا۔ اکہم

لو کی بتاؤں امی ابھی جب میں آپ کے پاس آ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا جیسے

کوئی خوفناک طوفان سائیں سائیں کرنا میرے سر پر چلا آ رہا ہے۔“

”کیوں صاحبزادے یہ وقت بھگتے ہوئے؟“ اس مرتبہ بیچ صاحب کی

ہاتھ صبح نشانی پر پڑا تھا۔

”مرگیا امی۔ دہائی ہے“ ندیم کان کے ساتھ بیچ صاحب کی طرف

چوکیا۔

”ارے ارے اس کا کان تو چھوڑ دیتے۔ امی گھبرا کر بولیں۔
 ”ہرگز نہیں آج میں اس کے کان کھینچ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔ صبح صاحب
 گرجے۔ ”ننگ آچکا ہیں ان آؤں کو گزریں سے پر غور وہ کسی دن گیارہ بارہ بجے
 سے پہلے گھر میں قدم ہی نہیں رکھتے۔ چھ سات بیٹے ہوسکتے ہیں۔ بی اسے کا پتھر نکلے
 ذرا اپنے لائے سے پرچھو کہ کتنی جگہ مازت کے لئے درخواستیں دی ہیں۔ کہاں
 کہاں انٹرویو کے لئے گئے ہیں مگر یہ فکر تو اسے چھٹی ہے جسے اپنی ذمہ داریوں کا
 احساس ہو صبح شام صفت کی روٹیاں توڑنے کو ل جاتی ہیں۔ انہیں کیا پرواہ کہ چار
 بہنوں کی شادی میں باپ بھلا کھڑا۔ کا مقروض ہو چکا ہے۔“

بچ صاحب نے کان چھوڑ کر چھڑی سنبھالی۔
 ”ہاتھ پھیلاؤ“ وہ چھڑی ہلاتے ہوئے بولے۔
 ”گھمب آپ تو کہتے تھے، اب جان کہ ہاتھ پھیلاؤ، ابھی بات نہیں، ندیم نے کان
 مسنے ہوئے جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں ہاتھ نکالو“ بچ صاحب نے غصہ نکلے باوجود پھیلاؤ سے لگاؤ
 برائے ہوئے کہا۔

”کہاں سے“ ندیم نے جھٹک کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا۔
 ”اچھا صبح صاف کرو کیجئے“ امی نے جھٹکے غلطی کرتے ہوئے سناٹش کی
 اس سے جو کچھ آپ کہیں گے۔ وہ ہی کرے گا۔

”میں آج اس گدے کی کھال ادھیر سے بغیر نہیں بانوں گا۔“
 ”پھر آپ کو سوئی کے پیسے دینا پڑیں گے“ ندیم نے انسرنگی سے سر ہلایا کہتے

ندیم صوبی سوٹ کے پیچھے سر و مول کر لیتے ہیں۔ کھال سینے کے بل بوتے سے کم
 پہنیں گے۔

”سن رہی ہوں اس کی باتیں۔ ذرا بھی تو دل میں برداشت کا احساس معلوم نہیں ہوتا بیچ صاحب نے بیگم کی طرف دیکھا۔ لگا توں کے بیوت باتوں سے نہیں مانتے ہیں۔ دوچار ہاتھ بڑ جائیں مجھے تو ابھی عقل ٹھکانے آجائے گی۔“

”کیا بد تیزی سے ندیم؟“ امی بھی خفا ہو چلی تھم خاموش کیوں نہیں رہتے۔

”کہاں تھے آئی رات تک“ بیچ صاحب نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

ندیم سر جھکاتے خاموش کھڑا رہا۔

”جواب کیوں نہیں دیتے۔“

”امی کہتی ہیں خاموش کیوں نہیں رہتے، آپ کہتے ہیں جواب کیوں نہیں دیتے۔“

ندیم جیسے بڑی بیجا لگی سے بولا۔ ”پچھلے آپ دونوں فیصلہ کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔“

امی نہ پھر کر مسکرائے گئیں۔

”ساتھ رہنے“ بیچ صاحب اگر جلدی سے بیگم صاحب کی طرف نہ گھوم جاتے تو ندیم

کے سامنے ہی ہنسی آجاتی۔ ”یہ بیتمہ ہے تمہارا سہاڑ پیارا کا۔ اپنی غلطی پر نہیں شرارت۔“

میں باپ کو قائل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

”اپنے کمرے میں جاؤ“ امی نے ڈانٹ کر کہا۔

ندیم بڑی سعادت مندی سے جانے لگا۔

”مکھڑو“ بیچ صاحب بولے۔ ”کی بیچ تو بچے آغا صاحب کے پاس جاتا ہے۔“

”جی بہت رہا۔ میں آپ کو آٹھ بجے اٹھا دوں گا۔“ ندیم نے گھبراہٹ سے

جواب دیا۔

”مجھے نہیں احمق تمہیں جانتا ہے“ بیچ صاحب چلائے۔

”انہوں نے اپنے دفتر میں تمہارے کسی جگہ کا بندوبست کیا ہے؟“

”دفتر میں“ ندیم چونکا۔ ”میرا مطلب ہے دفتر رہائشی مقصد کے لئے تو نہیں

ہوتے شاید۔“

”بجومت بیج صاحب غصہ سے بڑے ”قبہری رہائش کا انتظام تو مجھے پاگل خانے میں کرنا پڑے گا۔“

”وہاں ہاؤس نقل ہو چکا ہے“ ندیم نے کہا ”انتخابات کے پیش نظر بہت سے سیاسی لیڈروں کے عزیز و اقارب نے چھٹکی بنگلہ کرائی ہے۔“

”اپنی بکواس کئے جانا۔ میری امت ستا۔“

”فرمائیے سس رہا ہوں۔“

”آغا صاحب کے دفتر میں کیشٹر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ

کیا ہے کہ وہ اس پوسٹ پر تمہارا اپائنٹمنٹ کرا دیں گے۔“ بیج صاحب نے کہا ”کل نو بجے صبح ضرور ان کے پاس پہلے جانا۔“

”بہت اچھا۔“

”اللہ کن سے یہ آدھی رات کا آنا بھی نہیں ہوگا۔ نو بجے کے بعد تمہیں گھر میں

ہونا چاہیئے۔“

”مگر نو بجے تو آپ نے آغا صاحب کے پاس جانے کہتے کیا ہے۔“

”میں رات کے نو بجے کی بات کر رہا ہوں۔“

”آغا صاحب آج کل رات کے نو بجے دفتر کھولتے ہیں کیا“ ندیم نے جیسے بڑی

سیرت سے پوچھا۔

”اب میں ٹھیکر مار دوں گا تمہارے۔“ بیج صاحب جھٹک کر بولے ”آغا صاحب کا

دفتر صبح نو بجے کھلتا ہے اور تمہیں رات کے نو بجے ٹھگ گھر میں آجانا چاہیئے۔“

”کیا یا کسی اور طرح سمجھاؤ۔“

”بالکل سمجھ گیا ابا جان۔“ ندیم نے جلدی سے کہا۔

”تو پھر اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ۔“ بیج صاحب نے حکم دیا۔

ندیم سر جھکا گئے اپنے کمرے کی طرف چلا مگر دروازے تک

نہیں کر سکا۔

”اب کیا ہے؟“ ج صاحب نے کہا۔
 ”میں سوچ رہا تھا ابا جان کہ آغا صاحب اگر صبح نو بجے سے رات کے
 نو بجے تک دفتر میں کام کراتے ہیں تو انہیں قاعدے سے اندر نام بھی دینا چاہیے؟ ندیم
 نے جواب دیا ج صاحب کو چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ دانت بیس کر چٹری پلاتے
 ہوئے انہوں نے ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ ندیم جلدی سے بول اٹھا۔
 ”آغا صاحب بیشک بدہ مخففے کام کر کے اندر نام نہ دیں بلکہ تنخواہ کی بھی اس
 کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔“

ج صاحب نے دوسرا قدم اٹھایا۔
 ”اور..... اور میں کل صبح نو بجے ضرور ان کے دفتر جاؤں گا.....
 اور ندیم دو قدم پیچھے ہٹ گیا اس کی آنکھیں چٹری پر لگی ہوئی تھیں۔
 ج صاحب ایک اور قدم آگے بڑھے۔
 ”اور..... اور رات کو نو بجے کے بعد گھر کے اندر نہیں..... میرا مطلب

ہے باہر نہیں رہوں گا..... اچھا ابا جان! اسی جان سلام علیکم وہ جلدی سے دھڑک
 کھول کر اپنے کمرے میں گھر گیا۔
 ”بہت شرمندہ ہو گیا ہے“ اسی جواب تک بڑی شکل سے نفسی ضبط کئے بڑھ

نہیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔
 ”مگر اب مجھے اس کی آوارگی کا کوئی علاج کرنا ہی پڑے گا؟“ ج صاحب
 سوچتے ہوئے کہا۔

”علاج کیا؟ اللہ رکھے ملازمت مل جائے تو شادی کر دیں گے سب ٹھیک
 ہو جائے گا“ اسی نے رائے دی۔

”تو کوری ملے یا نہ ملے شادی تو جلد ہی کرنا پڑے گی“ ج صاحب نے

”بنک واسے اپنی رقم کا تقاضا کر رہے ہیں؟“
 ”نہیں، انہیں اپنی بیٹی کو دھوکہ دینا ہے۔“

۱۵
”دو لاکھ نہ سہی ایک لاکھ تو دیں گے ہی۔ بینک کا قرض۔“

”اور نہ دیا انہوں نے نقد روپیہ تو پھر۔“

”کیسے نہیں دیں گے۔ میں نے سب باتیں طے کر لی ہیں بیج صاحب نے

جواب دیا۔ تم کل جا کر آئندہ ہفتہ کی کوئی تاریخ طے کر آنا۔“

”کیا۔“ بیگم صاحبہ جیت سے بولیں۔ اتنی جلدی؟

”بینک سے دور یہاں نہ آچکے ہیں بیگم۔ بیگمہ نیدام ہوا تو سوسائٹی میں کہیں نہ

دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

”بات طے کرنے سے پہلے لڑکے سے تو لہجہ لیا ہوتا۔ اگر اس نے لٹکار کر دیا؟“

”تو میں اسے گولی مار کر خود کشی کروں گا۔“ بیج صاحبہ نے غصہ سے کہا۔ ”کیا وہ دیکھ

نہیں رہا ہے کہ گھر کے کیا حالات ہیں اور پھر میں پوچھتا ہوں۔ بیگم کی لڑکی میں بڑی ٹھیک

ہے۔ بڑھی ٹھیک نہیں ہے۔ خوبصورت نہیں ہے۔“

”یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر آج کل کے لڑکے پہلے کی طرح والدین کے فیصلے

مطابق سے نہیں بن لیا کرتے۔“ بیگم صاحبہ نے آہستہ آہستہ بیج صاحبہ میں جواب دیا۔ ”نیدام نے

بھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ لیکن ہے ان تمام باتوں کے باوجود اسے رشتہ

پسند نہ آئے؟“

”تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے اس کی پسند سے واقف ہو۔ بیج صاحبہ نے

چونک کر کہا۔

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتی مگر نیدام نے ایک درمقربہ عالیہ کا ذکر کیا تھا۔“

”یہ عالیہ کون ہے؟“

”خاید اس کے ساتھ کلج میں پڑھ چکی ہے۔“ بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

”اس کا باپ جہیز میں دو لاکھ نقد دے سکتا ہے۔“

”مجھے یہ معلوم میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کس کی ہے۔ آپ کہیں تو نیدام

سے بات کریں؟“

”میں کوشش کر رہی تھی کہ بیگم صاحبہ نے گہری پریشانی کے ساتھ جواب دیا۔
 ”اچانک تھیں کہ اندر کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ کوئی فیصلہ اس پر ٹھوسا جا رہا ہے
 تو وہ کبھی آسانی سے نہیں مانا۔“

جواب دیا۔

”سا... ٹھے... نین ہر...“ آخر نے منہ پھاڑا۔ کیا پیسے؟

”پھر وہ ہی مذاق“

”اب بنگھڑا“ اختر نے ندیم کی پیٹھ پر ایک دھپ لگائی
”مذاق میں کر رہا ہوں یا تو۔ اللہ اکبر! یکدم سے ساڑھے تین ہزار روپیہ بینہ
تختواہ اور بیوی معفت میں۔“

”شادی زندگی بھر کا سودا ہوتی ہے“

”بھیا تو یہ سود بچے دلوا دے“ اختر بڑے خوشامدانہ لہجے میں بولا ”بچے کو کڑی
اور بیوی کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ جہیز کے دولاکھ نہیں ایمانداری سے انکل کے ہاتھ
پر رکھ دوں گا وعدہ کرتا ہوں۔“
”آپ تو گمہ سے ہیں۔“ ندیم چڑکھ کر بولا۔

”بیوی اور خدمت کے لئے یہ خطاب بھی بدل رحمان قبول ہے۔“
”بچے شادی کرنے سے انکار نہیں“ ندیم نے اختر کی بات سنی ان سنی کر سٹے
ہوئے کہا ”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اباجان کو بینک کا قرض ادا کر لے کے لئے ایک لاکھ
روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ مگر پھر یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے لئے یکم صاحب
کی بیٹی سے ہی شادی کی جلتے؟“
”بیشک کوئی ضروری نہیں یکم صاحب سے بھی ریکاب و قبول ہو سکتا ہے۔“
اختر نے سر ہلایا۔

”بچے یقیناً بے غم و دلی صاحب بھی اپنی بیٹی کو دولاکھ نقد دے سکتے ہیں
ندیم نے اپنی سدی میں بولتے ہوئے کہا۔

”یہ کون بزرگ ہیں“ اختر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”اگر تم سنجیدہ نہیں ہوئے تو میں ابھی اٹھ کر صبح جاؤں گا۔“ ندیم بھرپور لگا۔

”چلو ہو گیا رنجیدہ“ اختر نے جواب دیا ”مگر سوال یہ ہے کہ جب تمہیں یقین ہے
تو جا کر عالیہ سے بات کیوں نہیں کرتے بچے یہ سب کچھ سنا کر میری نیت کیوں خراب
کر رہے ہو۔“

”اس لئے تو تمہارے پاس آیا تھا“ ندیم نے بتایا۔
 ”کی مطلب؟“ اختر چہنکا۔ ”نہیں ابھی اتنا بڑھا تو نہیں ہوا کہ محمود علی صاحب
 کا شبہ ہونے لگے؟“

”ہم دونوں عالیہ کے پاس چلتے ہیں؟“
 ”اسے امتحان میں کیوں دیکھتے ہو یا؟“ اختر بولا۔ ”اس نے میرا انتخاب کر لیا تو
 خواہ مخواہ تمہیں افسوس ہو گا؟“
 ”عالیہ سے میں تنہا ہی بات کروں گا،“ ندیم مسکرایا۔ ”تمہیں تو محمود صاحب
 سے بات کرنے کے لئے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“
 ”اپنا بزرگ بنا کر؟“

”کیا کیا جیسے وقت پر ترنگ سے کو بھی باپ کہنا پڑتا ہے؟“ ندیم نے فوراً
 جواب دیا۔

”مگر بیچ صاحب کو تو تم ہر وقت آیا جان کہتے رہتے ہو؟“
 ”بے ادب!“ ندیم نے اختر کی گردن پکڑ لی۔ ”ابا جان کے بارے میں کوئی گستاخی
 کی تو گلا گھونٹ دوں گا؟“

”صاف کرنا دوست؟“ اختر نے ندیم کے ہاتھ الگ کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں
 دیکھ کر ان کے بارے میں کوئی اچھی باتیں قائم نہیں ہوتی؟“
 ”معلوم ہوتا ہے آج سچا تمہاری شامت ہی آئی ہے؟“ ندیم نے استغین
 چڑھانا شروع کیں۔

”لا حول و لا قوۃ یا کہہ تو رہا ہوں کہ چلوں گا۔“ اختر نے جلدی سے کہا۔ ”مگر تم بات
 پیچھے ہٹتے ہو غلطی سے ہونے لگے ہو۔“
 ”آگئی عقل شکافنے پر؟“ ندیم مسکرایا۔

”بھیا شریف آدمی ہوں اس لئے ہمت ڈھتا ہوں اور تم ہرے
 کالچ کے واڑا؟“

”اچھا اب جلدی سے کپڑے پہن لو“
 ”آئی۔ تو کیا اس وقت بغیر کپڑوں کے بیٹھا ہوں؟“
 ”میرا مطلب ہے ذرا سلیقے کے کپڑے پہن لو“ ندیم نے شرارت سے کہا۔ یوں تو
 محمود صاحب صبح کو شیور بناتے ہیں مگر احتیاطاً بھی چیز ہے۔
 ”گرمی میں تائی نگہ بہا ہوں ان کپڑوں میں؟“ آخر نے نہ بنایا۔
 ”پس تمہاری یہ ہی حقیقت پسندی تو مجھے پسند ہے“ ندیم نے سنجیدگی سے کہنا شروع
 کر کے میں کتنی بے لگ سائے رکھتے ہو۔
 ”اچھا دوست! آخر کھڑا ہو گیا۔ میری حقیقت پسندی کا اعتراف تو تم محمود
 صاحب کے سامنے کر دے گئے۔“

”وہاں کوئی ٹکڑ بڑکی تو اچھا نہیں ہو گا؟“
 ”مگر میں محمود صاحب سے کہوں گا کیا؟“
 ”موقع محل کے اعتبار سے جو مناسب سمجھو کہہ دینا“ ندیم نے جواب دیا۔
 مجھے تمہاری عقائد ہی سے ڈر ہی لگتا ہے، شریف بھائی یہاں ہوتے تو میں تمہیں
 ہرگز نہ بے جاتا۔“

”شریف بھائی، تمہارا مطلب ہے تمہارے بہنوئی صاحب؟“
 ”ہاں چلوں ان ہاں میں ایک دہ ہی ذرا اپنی طبیعت کے ہیں“ ندیم نے بتایا
 ”اگرچہ شہناز مجھ سے دو سال پہلے گمنامی سے ہماری یہ بحث چل رہی ہے کہ
 یادو مجھے بھائی جان کہے یا میں اسے آپا۔ حالانکہ آپا کی کوئی شک نہیں ہے، بہر حال
 اس وجہ سے چھوٹا ہونے کے باوجود اس سے بڑی بے تکلفی ہے اور اس سے بے تکلفی
 ہے تو اس کے شہر سے تکلف کیسے چل سکتا تھا اس نے ہمارے درمیان سائے
 بہنوئی سے زیادہ دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔“

”وہ تو شاید آج کل دولت آباد میں ہیں۔“
 ”ہاں وہاں وہ کہہ نور فلم اسٹوڈیو میں منجیر ہیں“ ندیم نے جواب دیا۔ بہت اچھے

ڈنڈی بھڑ بھی میں ادھیک آپ میں تو اتنے باہر میں کہ اچھے اچھے ایک آپ میں شاگرسی
کدام بھرتے ہیں؟

”پھر انہیں کچھ دن کے لئے لیکن نہیں دیتے“ اختر نے رائے دی۔

”میں تو دیکھتا مگر یہاں تو چٹ سنگنی پٹ ریاض کا ساتھ دے دیتا ہے اندیم سے کہا۔

”جب تک وہ آئیں گے اپنی بڑاٹ چڑھ چکی ہوگی مگر اب تم باتیں ہی نہ کرو

جاؤ گے یا جا کر رہیں بھی قیدی کر دے“

”عالیہ اس وقت گھڑی جاٹے گی؟“

”امید تو ہے“

”محمود صاحب اس سے شے پر اعتراض تو نہیں کرتے“

”بڑا ناڈن گھڑتا ہے بھائی، اس لئے تو تمہیں ساتھ لے جا رہا ہوں وہ نہ

محمود پر تو شادی کے معاملے میں ہم لوگوں کے زبان کھولنے کو گستاخی خیال کیا جاوے“

ندیم اور اختر عالیہ کے گھر پہنچے تو وہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی مگر اندیم

ندیم کو پہچان سکتا، اس نے ان دونوں کے لئے ڈرائنگ روم کھولا دیا کہ اس صاحبہ بھی
آئی ہوئی گی آپ بیٹھ کر انتظار کریں۔

”یہ محمود صاحب کہتے کیا ہیں“ اختر نے ڈرائنگ روم کی سجادت کو حیرت

سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت بڑی اپورٹ ایکچوورٹ کفر ہے ان کی“ ندیم نے بتایا ”نہایت پرشاد

اور جوڑوڑ واسے کوئی ہیں ہر سال کسی نہ کسی طرح لاکھوں روپے کے ڈائننگ روم
سے حاصل کر لیتے ہیں؟“

”پھر تو کر دے دن کاتے ہیں گے“

”اس میں کیا شک ہے“

”پھر ان کی کوئی آمد نہ کی نہیں ہے“ اختر نے پوچھا۔

”جیہ کیوں نہیں؟“

”تو پھر کیہ اپنی بھی تکمیل لڑا دے؟“

”بڑی خوشی سے“ ندیم نے جواب دیا ”بشرطیکہ چار عدد بچے اور ایک شوہر

بھی چیزیں لینے کے لئے تیار ہو جائے؟“

”وہت تیرے کی تقدیر ہی کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ ہمیشہ بیٹ

ہر جاتا ہوں؟“ آخر نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا ”محمود صاحب کی بیگم

تو ہوں گی؟“

”نہیں ان کا جی تو مشق سال انتقال ہو گیا۔“

”کوئی بات نہیں یہاں کی دوسری شادی کرادیں گے؟“ آخر نے بڑی مسکراتے ہوئے

”وہ کیوں؟“

”مکن ہے اللہ میں نہیں ایک آدمی کی اور دوسری؟“ آخر نے سوچے منہ بولا

”ندیم نے ایک قہقہہ لگایا۔“ اور آپ اس کے جوان ہونے کے انتظار میں شادی

نہیں کریں گے؟“

”پھر اکیلا کیوں تمام اچھی لڑکیوں کی یا تو شادی ہو چکی ہے یا لگتی“

”آخر نے جیسے بڑی بچاڑی سے کہہ دیا اور جس کی نہیں ہوئی جب تک بچے اٹھنا

لے گی۔ انشاء اللہ ہو چکی ہوگی۔ اس لئے سوچئے بیٹو ان کی بکنگ کرانے کے بعد کی چارہ

باقی رہ جاتا ہے؟“

”گنگو نہیں تک پہنچی تھی کسالیوں کو جو ان کے ساتھ ہنستی ہوئی ڈرائنگ

رہم میں داخل ہوئی۔“

”ہیلو ندیم“ اس نے اُسکے بڑھ کر بڑی ہی تکللی سے ہاتھ دایا۔ کہیں تھے تین

چار دن سے۔ میں روز تھراڑا انتظار کرتی تھی مگر تم نہ خود آتے اور نہ فون کیا

”ہاں کچھ ایسی ہی اچھیں دیر میں تھیں کہ ارادہ کرنے کے باوجود نہ آسکا“ ندیم

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”آخر صاحب سے تو تم واقف ہی ہو؟“

”بہت اچھی طرح“ عالیہ نے شروع فرمایاں کہا ”میری کئی سہیلیں کو شکایت ہے کہ ان کے سینڈل تو ٹوٹ گئے۔ مگر اختر صاحب کا بلی بھی بیک نہیں ہوا۔“
 ”اس سے اندازہ لگائیے کہ لوگ کتنی حیرت انگیز واقعات حاصل کرنے کے لئے میرے گھر کے کتے چکر لگاتی ہوں گی؟“ اختر نے جواب دیا۔

”اچھا بھئی ندیم ان سے طرہ عالیہ نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا یہ ہیں میرے بڑے شریک شریک اس سال ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ جا رہے ہیں۔ وہ شریک کی طرف گھومی۔

”اور۔۔۔ ندیم صاحب بی اے میں میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔“
 ندیم کو اس اندازہ قحط پر حیرت ہوئی مگر اس نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہ کیا۔

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی“ شریک نے آگے بڑھ کر ہاتھ طایا عالیہ نے کئی مرتبہ آپ کا ذکر کیا تھا۔ طے کا اشتیاق تھا۔“

”مگر مجھے عالیہ نے کہیں آپ کے بارے میں نہیں بتایا۔ ندیم نے جواب دیا۔
 ”شریک یہاں نہیں رہتے ہیں“ عالیہ نے بتایا ”وہ تو جب یہ انگلینڈ جانے کے لئے گذشتہ ہفتہ یہاں پہنچے تب میری ان سے ملاقات ہوئی۔“

”میں تم سے اس وقت ایک اتھنی ضروری مسئلہ پر گفتگو کرنے آیا تھا“ ندیم نے عالیہ سے مخاطب ہو کر کہا اور شریک کی طرف دیکھ کر لہ ”امید ہے آپ ہماری پہلی منٹ کی میز عاضری کو معاف فرمائیں گے؟“

”جی ہاں۔“ فرد ”شریک نے جیب سے سگریٹ نکال کر سگاتے ہوئے

جواب دیا۔

”کیا بات ہے؟“ عالیہ نے کچھ حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔

”تم دماغ پر حملوں میں مبتلا ہو رہے“

عالیہ کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ندیم کے ساتھ جانے سے چکی پار پی

۲۳
 ہو۔ اس نے شوکت کی طرف دیکھا اور پھر گویا بد مجبوری شانے اچکا کر بولی: ”اچھا چلو“
 دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بنامستے میں آ گئے۔
 ”یہ تم نے اچھا نہیں کیا ندیم“ عالیہ نے کچھ ناگوار سی سے کہا ”شوکت اپنے دل میں
 کیا سوچے گا؟“

”اس وقت مجھے شوکت کی پرستش ہے نہ دنیا میں کس اور کی؟“ ندیم نے جواب دیا۔
 ”میرے سامنے زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش ہے۔ میں تم سے تہلہ افیصلہ منگوا رہا ہوں“
 ”کیا مطلب؟“

”میرے والدین میری شادی کر رہے ہیں“
 ”پھر تو مبارک ہو“
 ”مناقضت کرو عالیہ تم جانتی ہو کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا“
 ”کیوں؟“

”اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ہم دونوں نے زندگی کے سفر
 میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا ہے اور اس لئے کہ ہم دونوں آپس میں
 شادی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں“

عالیہ دوسری طرف منہ پھیر کر کئی لمحہ خاموش رہی۔
 ”تم بولتی کیوں نہیں؟“ ندیم نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں اس مسئلے میں تیری چاروں دن سے تہلہ افیصلہ منگوا رہی ہوں“ عالیہ نے ہاتھ
 بوجھ میں جواب دیا ”میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ میرے ڈیڈی نے بھی میری شادی کا
 فیصلہ کر لیا ہے“

”کیا شوکت سے؟“ ندیم نے چونک کر پوچھا۔
 ”ہاں“ عالیہ بدستور تدبیر سے نگاہیں پکارتے ہوئے بولی ”گور میں تاکہ آؤ لو خیال
 ہی مگر ڈیڈی کے فیصلے کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ مجھے چاہیے کہ جلد ہی
 بات ماننا چاہئے گی۔ اور تہلہ افیصلہ منگوائے گی۔ یہی ہے کہ جہاں تہلہ افیصلہ والدین کے

رہے ہیں بخاری کر لو۔

”یہ تم کہہ رہی ہو“ ندیم نے بڑی حیرت سے عالیہ کو گھور کر دیکھا۔

”ہم مشرقی لڑکیاں ہمیشہ سے اپنے ماں باپ کے حکم پر سر جھکا کر پہلی آئی ہیں۔“
عالیہ سر جھکائے ہوئے بولی ”میں اپنے اندر اس پرانی روایت کو توڑنے کی جرأت پیدا
نہیں کر سکی۔“

”اور وہ تمہارے وعدے ساتھ نباہنے کی قسمیں، محبت کی خاطر دینا بھرتے
لڑ جائے گا جلد۔“

عالیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ندیم نے ایک گہری سانس لی۔ ”سچ بتانا عالیہ
شوکت تمہاری پسند ہے یا تمہارے ٹیڈی کی؟“
”مشاوہی طے ہو جانے کے بعد لڑکی مجبور ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی پسند کو
پسند کرنا سکھے۔“

”تو یہ بات ہے“ ندیم نے بھونٹے ہوئے کہا ”تم اب تک میرے ساتھ محبت
نہیں محبت کی رہیں رہیں کرتی رہی تھیں اور محبت کا لفظ بھی غالباً میں نے غلط استعمال کیا
ہے۔ تم تو ہاسٹی کی آدمی تھیں محبت کی بجائے تم میری طرف محض اس لئے ملحق تھیں
کہ اس وقت تمہارے سامنے کوئی شوکت نہیں تھا۔“

”اپنے ہوش میں وہ ندیم عالیہ تیز لہجہ میں بولی ”میں تمہاری زنجیر توڑتی نہیں ہوں
کہ یہ دلچسپ اور دلچسپ کر لوں۔“

”تم ایک زنجیر توڑی سے بھی ذلیل ہو۔ اس میں کم سے کم وفاداری تو ہوتی ہے
ندیم نے انتہائی غصے سے کہا ”مجھے یقین ہے کہ آج کوئی نوجوان نہیں شوکت سے زیادہ
اچھے مستقبل کا مالک نظر آئے تو تم شوکت کو بھی دھتکار دو گی۔ تمہیں زندگی سکسنے کسی
بہتر رفیق کی نہیں ایک ایسے سوداگر کی ضرورت ہے جو تمہارے زیادہ سے زیادہ دام
لگا سکے۔ تم سچی لڑکی ہو جسے محبت سے نہیں دولت سے خرابا جاتا ہے۔“
مشق اب اینڈ گیسٹ آف ”عالیہ آگ بگولا ہو کر چلی“ آئندہ اس کو بھی میں ہم

رکھا تو دھکے دے کر باہر نکلوا دیئے جاؤ گئے۔

”میں تم پر بھاری اس کوٹھی پر اندھاں تہذیب پر جو تم جیسے نرستہ یہ کرتی ہے
تھوکتا ہوں۔“ ندیم نے انتہائی نفرت سے فرش پر ایک طرف تھوکتے ہوئے جواب دیا
”اپنے نیند کا اشتہار اخبار میں ضرور دینا۔ ممکن ہو تو تماشا دیکھنے میں بھی کجاؤں گا۔
اللہ یہ کہہ کر ندیم تیز قدموں سے کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ غصہ میں اس کے
ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ اندر ڈر ڈرانا شک و دھم میں آخر اس کی واپسی کا منتظر
کہ رہا ہو گا۔“

طہازم نے اطلاع دی کہ ٹیکسی آگئی ہے۔ ندیم کی امی چلنے کے لئے ٹکڑی پر گئیں۔
”اچھا بہن تو اب مجھے اجازت دو“ انھوں نے کہا۔ ”خدا نے چاہا تو ہفتہ کے دن
برائے لے کر آؤں گی۔“

”بھابی میں تو پہلے ہی حامد بھائی سے کہہ چکا ہوں کہ دھنا نہ بھی آپ ہی کی
یہی ہے۔ بیوی کے بھائے کلیم صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”ہفتہ تو ابھی
دور ہے۔ آپ چاہیں تو میں ابھی
ٹیکسی میں بٹھائے دیتا ہوں۔“

”اے اے اے! اکھوتی یہی اب انہی ہی تو بھاری ہو رہی ہے۔“ رخسانہ کی امی نے
جیسے برا ماننے ہوئے کہا۔ ”جب بات کریں گے۔ سوچے سمجھے بغیر بیٹ سے کہہ دیں گے۔“
کلیم صاحب نے یکسر ہلکا قبضہ لگا دیا۔ ”جب تمہیں سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیا۔ کلیم
تو اب کہیں اور عقل استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”آپ دیکھ رہی ہیں بھابی! ان کی باتیں“ رخسانہ کی امی خرا گئیں۔

ندیم کی اکھوتی ہنستے ہوئے برقع اٹھایا۔ ”تو میں کب تہذیبی لادلی کر رہی ہوں؟
ہوں؟“ انہوں نے کہا۔ ”اللہ رکھے میری تمہیں تو ایک ہی شے ہے۔ جتنا دھم دھام چاہو کرنا
کہو تو سات باجوں سے برائے لے کر آؤں تو“

”نہیں بھابی مجھے یہ خائش بالکل پسند نہیں ہے آپ تو میں ندیم کو دلہا بنا کر لے
 آئیے گا۔ ہمارے یہاں ہمیں دھیرہ بھی زیادہ نہیں ہوتیں اور نہ میں زیادہ بھیڑ بھاڑ جمع
 کر رہا ہوں۔ بس قریبی سوز مزہ کہ دوست ہوں گے۔“
 ندیم کی اسی سلام کر کے رخصت ہو گئیں تو کلیم صاحب بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں
 جانے لگے۔

”میں نے کہا خدایات تو سنیے، رخصانہ کی اکیسہ پکاوا۔“
 ”کیا بات ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ رخصانہ اس شادی سے خوش نہیں معلوم ہوتی۔“
 ”کیا؟ کلیم صاحب چرنک پڑے۔“

”جب سے یہ بات چھڑی ہے اس کے تیرہ کچھ بدے ہوئے ہیں رخصانہ کی اس
 نے بتایا۔“ آج بھی جب بھابی صاحبہ آئیں تو انہوں نے کتنا کتنا اسے بلایا مگر وہ اپنے
 کمرے میں کڑی بند کر کے ایسی بیٹھی کہ جواب تک نہیں دیا۔“
 ”کمال ہے۔ اور تم نے سمجھ لیا کہ اسے شادی پسند نہیں ہے؟“ کلیم صاحب نے

کہا ”اوسے بھی لڑکی ان معاذات میں شریاتی ہی ہیں اور ہمدی رخصانہ تو بیکو رہا
 آؤ خیال ہوسنے کے باوجود حد سے زیادہ سڑیل واقع ہوئی ہے۔“

”میں اسے آپ سے زیادہ جانتی ہوں، رخصانہ کی اسی نے فکر مند ہجہ میں کہا
 ”شرم اور مفصہ کے تاثرات بالکل الگ الگ ہوتے ہیں۔ آپ سفاقتی جلدی بات پر
 کر کے اچھا نہیں کیا۔ پہلے میں اس پرچہ لیتی تو زیادہ بہتر تھا۔“

”تم تو فدا خداسی بات پر پریشان ہو سنا عادی ہو کلیم صاحب نے جواب
 دیا ”میں حامد بھائی کو پہلے ہی زبان سے چکا تھا۔ اس کے علاوہ میں نہیں سمجھتا کہ ندیم
 سے اچھا لڑکا تم میں شیخ کو اور کہاں ملے گا؟“

”تو کب کہتی ہوں کہ رشتہ اچھا نہیں ہے۔ فدا بلکہ کرے ندیم مجھے بھی پسند
 ہے۔“

۲۔ وہ تو ظاہر ہے میں اپنی بات تیار ہی تو شدای طے نہیں کر رہا ہوں۔

”آپ سے قربات کرنا مقصود ہے، دشمنانہ کی ہی بگڑ گئیں۔“

”بھئی ایسا ملہری کی بات ہے کہ قبیلہ سے دو ٹھننے کا جلاز آج بھی اتنا ہی دھیارا

سبے جتنا بچیس سال پہلے تھا، کلیم صاحب ہنستے ہوئے دڑا میری طرف دیکھنا :

مردم و کبک کے درخشاں کی اسی نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

”ابو جہلہؓ صاحبِ سُنّے جیسے بارہ مانتے ہوئے کہا: ”ایسا ہی ہے تو ختم ہوا“

ہے بات کر دیکھنا:

”محمد بن فائدہ بھی کیا ہے۔ آپ تو سب کچھ کھاتے پیتے ہیں۔“

”تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے وہ پہنچ نہ سکا، لیکن میں تو اس شادی سے مرکبم

مہاجر نے جواب دیا ”بھئی یہ تمہارا غصہ ہی ہے تا جرحے پوری امید ہے کہ غلط

نکلے گا۔ پھر بھی اگر اپنی نابھکھی سے دشمنانہ کو کوئی اعتراض جو تو تم اس کی ماں جو نرمی

اور پید سے سمجھا دے گی تو وہ ضرور جان جائے گی۔

”خدا کو سے ایسا ہی ہو۔“ دعا تک اسی سے گہری فکر کے ساتھ جواب دیا۔

کلیں صاحب اپنے گھر سے ہی چلے گئے اور انگریزی کے پاس پڑھیں۔

نساء: بڑے بگڑے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھے، موقی نظام کو کچھ کتاب دے رہے تھے۔

میشانی کے لیے ان لوگوں کے صفحات پر غور کیا گیا کہ ان کے پاس کیا مواد ہے۔

اس کا ذہن کسے راجہ پر ختم ہو رہا ہے۔

"میں نے بھی تمہارا شکرا ادا کر دیا، مگر تمہارے حساب تک نہیں پہنچا کہ تم کتنا شکر کرتے ہو۔"

یہ عجیبی باتیں سن چکائی رہی کہ اسے کلاب ملک نہیں دیا، کسی بڑی بات
 کے رخصانہ کی ہی نے بڑے نرم لہجہ میں کہا: آخر اس سے پہلے کھڑے تو وہ آ آ کر غنڈہ لگے

لیا تو تم نے کہیں نہیں کیا تھا۔

رخسانہ کے کرکٹ کے لیے منظرہ محفل پر

”یہ بات تو تمہیں معلوم ہو گئی ہوگی“ اسی نے جندلمر اس کے جواب کا انتظار کرنے

عاجہ دوبارہ کہا کہ تمہارے ابو حامد بھائی کے لڑکے سے تمہاری شادی کرنا چاہتے

میں ناور.....

”اور آپ مجھ سے آج کہہ رہی ہیں؟“ دھانہ نے ہاں کی بات کاٹتے ہوئے کہنے میں کوئی بے جان گڑیا ہوں یا اس محلے کا میری ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے کوئی رحمت دیتے ہوئے میری بلستے معلوم کرتی تو میں آپ لوگوں کی بات مان لیتی۔ مگر آپ خود بھی سن لیں اور ابو کو بھی بتا دیں کہ مجھے یہ فیصلہ بالکل متعلق نہیں ہے میں کوئی جانور نہیں ہوں کہ آپ جہاں چاہیں لاکھی کے منہ سے بٹکا دیں اور میں خاموش رہوں۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟“ امی ششدر رہ گئیں بات یہاں تک پہنچ گئی۔ اس کی انہیں بھی امید نہیں تھی۔
”مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی امی“ رخسانہ کھڑی ہو گئی۔ ”اب آپ لوگوں کی مرضی ہے جو چاہیں کہیں۔“

”یہ کہہ کر وہ کتاب میز پر ٹھختی ہوئی تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔“

”یہ دیکھا تم نے؟“ بیج صاحب سیلنگ گاڑن پہنے ایکس ہاتھ میں کوئی کاغذ سٹے کمرے میں داخل ہوئے۔ ندیم کی امی ابھی باہر ہی خانے سے ناشتہ تیار کر کے اور تازہ کر میز پر لگانے کی ہدایت دیتی ہوئی فرنیچ سے کھینچ کر اچھل نکلنے آئی تھیں۔
”ندیم کی امی نے فرنیچ کا اندازہ بند کر کے ہر سٹے ہٹ کر بیج صاحب کی طرف دیکھا۔“

”آپ ابھی سیلنگ گاڑن پہنے ہی گھوم رہے ہیں؟“ دو درمیں ”وہاں ناشتہ میز پر لگ چکا ہو گا۔ جیسے جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آئیے؟“
”منہ ہاتھ دھونے سے کیا ہو گا۔ بیگم تمہارے بیٹے نے چہرے پر دھواں لگا

تھوپی ہے کہ ساری عمر دھوئے کے باوجود نہیں چھٹ سکتی؟“
بیج صاحب نے ہاتھ میں پکڑا برا کاغذ لہرتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا اب صبح ہی صبح غصہ نہ کریں بیٹے! طینتوں سے ناشتہ کر لیں۔ بیٹھنے چلا سنے کے لئے پردہ ان چڑا رہے۔ بیگم صاحبہ یہ ہی سمجھیں کہ کل رات پھر ندیم در سے کتا بولا بولے معلوم ہے ندیم ساٹھ سے بارہ بجے تک گھر نہیں آیا تھا۔“
”گھر نہیں آیا تھا۔“ صبح صاحب نے غصہ سے دہرایا وہ گھما شادی کے خوف بطور احتجاج گھر سے ہی چلا گیا ہے۔“

”کیا؟“ بیگم صاحبہ چونک بڑھیں ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہارے اڈے بیٹے کو ماں باپ کا طے کردہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ صبح صاحب نے جواب دیا رات کے دو بجے تک میں اس کے انتظار میں جاگتا رہا تھا پھر مجھ پر اُجاگر سرگیا، صبح اٹھتے ہی اس کے کمرے میں پروں پنا تو کمرے کی حالت سے ظاہر تھا کہ وہ رات بھر واپس ہی نہیں آیا۔ میز پر ہیر ریش کے نیچے یہ کالڈ دبا رکھا تھا میں نے اٹھا کر پڑھا تو معلوم ہوا چوتھ شادی کے سلسلے میں ہمارا فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس سٹے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ کپڑوں کی الماری سے تمام جوڑے اور سوٹ کیس بھی غائب ہے۔“

”اے میرے مراد یہ کیا ہو گیا؟“ بیگم صاحبہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
”کچھ نہیں ہو گیا۔ صبح صاحب تیزی سے لوٹے۔ آج کل کے نوجوانوں کے ہاتھ آسان سا نسخہ آگیا ہے کہ جہاں کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی اور گھر سے نکل گئے مگر میں ان دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ وہ میری طرف سے جہنم میں چلے گئے لیکن اس گھر میں بہتے ہوئے آگ سے وہ ہی گریز کر رہے گا جو ہم چاہیں گے؟“
”بیگم صاحبہ نے سنا بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ کیوں صاحب گھبراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔“

”ارے کیوں تم؟“ صبح صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ تمہیں کس نے بتایا؟“
”مجھے کون بتا؟“ صبح صاحب ”کیوں صاحب بھرائی؟“ بھائی آواز میں بولتے وہ صاحبزادی عطر تو میرے ہی نام لکھ گئی ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ جوان بڑکیوں میری

۳۰

نہ کھڑا تھی تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتا۔ اس پر سخت سفا آپ کے سامنے ہی دیں
دوسرے نہیں کیا۔ بلکہ سارے فائدہ مند اور سوسائٹی میں میری عزت پر پانی پھیر رہے ہیں۔
"کیا مطلب۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتے کیا بات ہے۔"
"کیا بتاؤں علامہ بھائی! رخصتا میں شادی کے خلاف تھی۔ وہ کھٹا کر چکے
سے گھر سے نکل گئی۔ اور آج صبح مجھے اس کے کمرے سے یہ خط ملا ہے۔"
"کیم صاحب نے حجب سے ایک کاغذ نکال کر شیخ صاحب کے ہاتھ میں
دے دیا۔"

نواب گنج سے دولت آباد صرف ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں کم و بیش آٹھ ٹرینیں دولت آباد جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ عام طور پر دن کی گاڑیوں سے سفر کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ خاص طور سے رات کو دس بجے نواب گنج سے گزرنے والی سینئر ٹرین تو تقریباً خالی ہی رہتی تھی۔ سوائے محروڈ کلاس کے ڈبوں کے جن کی روایت میں خالی ہونا مثال ہی نہیں تھا۔ خواہ وہ کسی ٹرین کے ہوں۔ دوسری وجہ اسی سینئر ٹرین کی عدم مقبولیت کی یہ تھی کہ اسے شان و تاداری بھی نہ تھی۔ آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ ٹائم ٹیبل میں نواب گنج کے اسٹیشن پر اس کی آمد دس بج کر پانچ منٹ پر دکھائی گئی تھی۔ مگر وہ کبھی بارہ ایک بجے سے پہلے نہیں آتی تھی۔

ندیم نے اطمینان سے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور ایک ہاتھ میں سرٹ کیس لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے مونگ پھلیاں ٹونکتا ہوا پلٹ فلام کی طرف چلا۔ پلٹ فلام پر پہنچا تو وہاں ایک ٹرین موجود تھی۔ ندیم کو بالکل بھی خیال نہیں آیا کہ وہ تادیبی سینئر ٹرین ہو سکتی ہے۔ ایک گاڑی صاحب سرخ جھنڈی بغل میں دبائے اور ہری جھنڈی ہاتھ میں بکھڑے پگڑے ٹکٹ چیکر سے باتیں کر رہے تھے۔

”یہ ٹرین کہاں جا رہی ہے۔ بھائی صاحب؟“ ندیم نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”دولت آباد“ گاڑی صاحب نے جواب دیا۔

”جی“ ندیم نے ہونٹ کر اپنی گھڑی دیکھی اور دس بجے تھے۔

”آپ کا مطلب ہے کہ یہ سینئر ٹرین ہے جو رات کو دولت آباد جاتی ہے؟“

اس نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں“

”کمال ہے۔ غالباً جب سے یہ ٹرین چلی ہے تب پہلی مرتبہ اسے نہ صرف صبح وقت

بلکہ پانچ منٹ پہلے فراب گنج کے ہیٹ فدم پر دیکھ رہا ہوں“

”اپنی غلط فہمی دور کر لیجئے“ جناب! گارڈ صاحب شکرا کرتے ہیں۔ یہ کل کی ٹرین ہے جن کی

پورے سڈھے تینس گھنٹے ٹیٹ آئی ہے۔“

”خدا کا شکر ہے“ ندیم نے سوت کیس اٹھایا۔ ”آپ نے میری جان بچا لی۔ نہ تو اسے

کی مستعدی دیکھ کر مجھے تو شاید ہی مرگ جوسنے کا اندیشہ تھا“

”آپ اس ٹرین سے سزا کر رہے ہیں“ گارڈ صاحب نے پوچھا۔

”جی ہاں“

”کس کلاس میں“

”فرسٹ“

”تو پھر آپ چل کر بیٹھے“ گارڈ صاحب نے کہا ”جان بچا سنے کے سلسلہ میں

اپنا انعام لینے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں“

ندیم نے ٹرین کا ایک چکر لگایا پوری گاڑی میں فرسٹ کلاس کے صرف دو

کیارٹنٹ تھے اور دو لون خالی تھے۔ ایک نسبتاً بڑا اور دوسرا میٹ

کا تھا۔ جبکہ دوسرے کی گنجائش آٹھ مسافر تھی مگر تھی۔ ندیم حوٹا آخری ڈبے پر بند کتا

تھا۔ آٹھ مسافروں کا کیارٹنٹ پیچھے تھا۔ چنانچہ وہ اسی میں سوار ہو گیا۔ سوت کیس سے

عابین اور تو یہ نکالی۔ کیس برتن کے نیچے رکھا اور نہ ہاتھ دھوئے ٹرائٹلٹ میں چلا گیا۔

آئینہ میں صورت دیکھی تو شیوہ بھی کچھ برصا ہوا نظر آیا۔ دو بلبلدالیں آکر سیٹھی ریزر نکالا

اور پھر بند ہو گیا۔

ابھی منہ پر عابین ہی لگایا تھا کہ ٹرین ایک جھٹکا کھا کر رینگنے لگی۔ ساتھ ہی ایسے

معلوم ہوا جیسے کسی نے بڑے زور سے کیارٹنٹ کا دروازہ بند کیا ہو۔ ندیم کو پہلے تو یہ خیال

ہوا کہ شائد گارڈ صاحب میں اور واقعی جیسا کہ تھا انعام وصول کرنے آئے ہیں مگر پھر یہ سوچ کر تنہا ڈبے میں کوئی ہاتھ کی صفائی دکھانے والے بزدل اس کا اگوتا سوٹ کیس نہ صاف کر دیں۔ ہر چند کہ اس میں نقدی نہیں تھی کیونکہ ندیم بل عربی پیش مرے کے بھائی اپنی پانچویں اپنے دم کے ساتھ رکھنے کا قائل تھا۔ مگر پھر بھی سوٹ کیس میں ایک دو سوٹ اور چار پانچ جوڑے کپڑے تو تھے ہی۔

ندیم نے آہستہ سے ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر جھانکا اندر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک لڑکی جس کی پشت ندیم کی طرف تھی اندر سے دروازے کی پٹخنی بند کر رہی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ... کمر کیوں کی طرف مزید جوتی اور ندیم نے جلدی سے ٹوائلٹ کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ میرے ماتک وہ دل میں رونا۔ تیری دنیا میں غفرت تو سے کہیں چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ ایک سے جان بچا کر آیا تو دوسری مل گئی۔ اس نے اطمینان سے شیو بنایا۔ منہ ہاتھ دھویا اور ہر چہ بلوا یاد کرتا ہوا تو لیکر کندھے پر ڈاسے صابن اور سیفٹی ریزر ہاتھ میں پکڑے کپڑے ٹنٹ میں داخل ہوا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر لڑکی نے جو اس وقت تک بڑے اطمینان سے برقعہ پر بیٹھی ہوئی رسالہ پڑھ رہی تھی، چہ نمک کر ندیم کی طرف دیکھا اور سالہا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ مختصر سی پیت حیرت ندیم کی نسبت میں بھی کھی گئی۔ اس وقت اس نے پہلی مرتبہ اس کا چہرہ دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ نود ہی سینا بال والی لڑکی تھی۔ گھبراہٹ اس نے بڑی خرافت سے بالوں کا کوئی جید ٹیزا بنانے کے بجائے دوچٹیاں گوندھ رکھی تھیں۔

”آپ بہ لڑکی اسے پہلے ہی پہچان چکی تھی۔“

”جی۔ آپ کا مخدوم“ ندیم نے جواب دیا اور لڑکی کی سیٹھ کی طرف بڑھا۔

”آپ کو کسی نے بات کرنے کا طریقہ نہیں سکھایا“ لڑکی تیز ہی پہرلی ڈال کر

بولی۔ ”یہ آپ میرے مخدوم کب سے ہو گئے؟“

”کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ مت دیجئے مخدوم میرا نام ہے۔“

۳۲
 وہ لڑکی نے کہا مگر میرا ذہنی گھبراہٹ کھڑی ہو گئی مگر یہ آپ کہاں برسے
 چلے آسبے ہیں؟

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس کے قدم بھی نہیں رکھے تھے لڑکی
 حیرت و پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف چھلکے
 یہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ ہکا بکا۔

ندیم نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا وہ لڑکی کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا
 وہاں تک وہ جھکا اور دونوں ہاتھ پیچھے دیکھے لڑکی کے منہ سے ایک دبی جوتی پڑی نکلی
 گئی۔ مگر ندیم تو جھک کر برتنہ کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال رہا تھا۔ اس نے سوٹ
 کیس نکالا اور اسی خاموشی کے ساتھ جا کر دوسری برتنہ پر بیٹھ گیا۔ لڑکی دونوں ہاتھ
 سینے پر رکھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ندیم دوسری سوٹ پر
 بیٹھا تو وہ ایک گہری سانس لے کر یہی دھم سے برتنہ پر گر گئی جیسے اس کے سر دل
 میں ٹکڑے ہونے کی سکت نہیں رہی تھی۔

آپ نے میری جان ہی نکال لی تھی؟ اس نے کہا۔
 حالانکہ میں برتنہ کے نیچے سے صرف اپنا سوٹ کیس نکال رہا تھا۔ ندیم بولا
 کہیں ایسا تو نہیں کہہ سکتی۔ دونوں لڑکیوں کی طرح آپ کی جان اس سوٹ کیس میں تھی
 میرا خیال تھا کہ آپ میں صرف سلیف کی کمی ہے مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 آپ سلیف سے ہی نہیں شرافت سے بھی محروم ہیں۔ لڑکی کو غصہ آگیا۔
 یہ شکایت غالباً آپ کو اس لئے ہوئی کہ میں نے سوٹ کیس کے بجائے آپ کو
 نہیں اٹھایا؟ ندیم نے ہر دماغی سے سوٹ کیس کھول کر اس میں تولیہ اور سیخی پڑی
 وغیرہ رکھتے ہوئے کہا۔

بھلے پتہ ہوتا کہ آپ جیسا بہ تمیز انسان یہاں موجود ہے تو اس ڈبے میں
 جہاں تکتی بھی ہیں؟
 وہ نے معلوم ہوتا کہ آپ جیسی بھوت ادب و تہذیب لڑکی اس کپڑے میں نازل

ہونے والی ہے تو آج اسیشن کا رخ ہی نہ کرتا۔
 ”میری صورت جناب کے چوکھٹے سے ابھی ہے“ لڑکی نہ چڑانے کے انداز میں
 بولی ”آپ آئینہ دیکھ کر ضرور ڈر جاتے ہوں گے۔“
 ”جی ہاں راتوں کو چونک بھی پڑتا تھا“ ندیم نے گرجان بھٹے ہوتے جواب دیا
 ”بار بار خیال آتا ہے کہ اس دن سینا میں وہ پہنچ کر آپ کے بل بکتے یا آپ نے بھاؤں میں
 اپنے سینک چھپا رکھے تھے۔ محلے کی مسجد کے پیش امام صاحب تو کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ
 پھر پر کسی چڑلی کا سایہ ہو گیا ہے۔“

”شٹ اپ میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی؟“
 ”تو یہاں کون آپ کی بے سری آواز سننے کے لئے مراجار ہلے؟“ ندیم نے
 دونوں گالوں پر ہاتھ ملے۔ ”تو بہ تو بہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بھینس ڈکرا رہی ہے؟“
 ”جناب میں اپنے کالج میں موسیقی کے مقابلے میں اعلیٰ انعام حاصل کر چکی ہوں
 لڑکی نے فخریہ لہجہ میں بتایا۔

”تو پھر وہ مقابلہ ضرور کسی کو تسے کی زیر صدارت ہوا ہو گا؟“ ندیم نے
 ہنسے یقین سے کہا۔

”آپ خاموش نہیں رہیں گے؟“
 ”ہاتھ جوڑ کر درخواست کیجئے شاید رحم آجائے؟“
 ”نک آکر لڑکی نے خود ہی اپنا منہ دوسری طرف کر لیا اور کھڑکی سے جھانکنے لگی
 باہر تارکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل تھے۔ اس لئے تارے بھی نظر نہیں
 آ رہے تھے۔

غالباً کسی ہم جنس کو تلاش کر رہی ہیں؟“ ندیم نے کہا۔
 ”جیسے اس بات پر مجبور نہ کیجئے کہ ابھی زنجیر کھینچ کر شہین رکوا دوں اور
 کھڑکے سے کہوں کہ وہ آپ کو کان سے پھڑک کر پکارا۔“ شٹ سے باہر نکال دے لڑکی
 نے ہنسنے لگا۔

آپ باقاعدہ گھر کے ساتھ سفر کرتی ہیں؟ ندیم نے حیرت ظاہر کی۔ اس
بہ صورتی پر یہ اتنا ہے اگر کہیں واقعی کچھ حسین ہوتی تو شاید پوری فوج کے ساتھ
نکلا کرتیں۔

”میرا مطلب ریوے گارڈ ہے؟“
”جی ہاں آپ کا مطلب ریوے گارڈ ہے۔ ریوے گارڈ کا مطلب
آپ سے ہوگا۔“ ندیم نے جواب دیا ”بغیر مطلب اس دنیا میں کون کسی کے
کام آتا ہے؟“

”وکی تاؤ میں آکر کچھ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ ٹرین آہستہ بڑا شروع ہوئی
اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کوئی اسٹیشن آ رہا تھا۔
ٹرین رکھتے ہی لڑکی جو دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی تھی تیزی سے نیچے
اتر گئی اس کا رخ گھر کے ڈبے کی جانب تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ اسٹیشن
کی عمارت سے تین چار کانٹیل برآمد ہوئے۔ ایک انسپکٹر بھی ان کے ساتھ تھا۔
اس نے انھیں کچھ ہدایات دیں اور تمام کانٹیل پھیل کر ٹرین کے مختلف ڈبوں میں
جھانکنے لگے۔ لڑکی کے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود رک گئے۔ ایک قلی قریب سے گھڑا۔
”آج اسٹیشن پر پولیس کیوں موجود ہے؟“ لڑکی نے قلی سے پوچھا۔
”کوئی لڑکی گھر سے بھاگ آئی ہے“ قلی نے جواب دیا ”پولیس اسے

تلاش کر رہی ہے۔“
”قلی تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ لڑکی نے گھر اگر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک
کانٹیل اس طرف بھی آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے قبیلے کی طرف واپس لوٹ گئی۔
ندیم نے سوٹ کیس سے ایک چادر نکال لی تھی اور اب سر سے پاؤں تک
چادر تانے پر دروازہ تھا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اگر وہ لڑکی کسی گھر یا مکان پر
کو جاکر ہائی بھی تو وہ ندیم کو سوتے دیکھ کر جگانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ دروازے
کی آہٹ سن کر اس نے چادر کا ایک کونہ اٹھا کر جھانکا۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ اکیلی

تھی مادر بزرگ نے ہر سٹے انداز میں دروازہ بند کر رہی تھی۔
 دروازہ بند کر کے وہ اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔ ندیم نے دیکھا کہ برقع سے رسالہ
 اٹھاتے ہوئے لڑکی کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ وہ اس انداز سے سیٹ کے بالکل
 کندھے پر بیٹھی ہوئی تھی جیسے موقع ملے ہی بھاگنے کا ارادہ ہو۔ ندیم ابھی اس
 چانک بندیلی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کسی نے کپار ٹسٹ کے دروازے
 پر زور سے دستک دی اور ساتھ ہی کھڑکی کے بند شیشے سے ایک کانٹیل کو جبرہ
 بھاگتا نظر آیا۔ ندیم کے دل میں ایک لمحہ کے لیے یہ خیال پیدا ہوا کہ لڑکی نے بدلت
 اس کی شکایت پولیس سے کر دی ہے مگر آواز سننے ہی لڑکی جس طرح چونک کر
 اچھل پڑی تھی اس سے یہ ہی ظاہر ہوتا تھا کہ خود اس کے لیے بھی کانٹیل کی آمد
 پریشان کن ہے۔ ندیم نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ سر درست مٹے کا ہاتھ کرتے
 ہوئے جادو میں منہ چھپاتے پڑے رہنا ہی بہتر ہے۔

لڑکی نے گہرائی ہوئی نظروں سے ندیم کی طرف دیکھا اور پھر جیسے بھورا
 اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

”ایک بات ہے“ اس نے آواز کو حتیٰ الامکان پرسکون بنانے کی کوشش کی۔
 ”معاف کیجئے مگر میرا فرسٹ کلاس کے مسافروں سے تحقیقات کرنے کا
 فرض انسپکٹر نے اپنے ذمے لیا تھا“ میں آپ کا ٹکٹ دیکھ سکتا ہوں؟
 ”کیا اب ٹکٹ چیک کرنے کا کام پولیس سنبھال لیا ہے“ لڑکی نے قد سے
 ہنجواری سے جواب دیا۔

”جی ہاں۔ عارضی طور پر“ لڑکی کوئی اعتراض ہے؟ انسپکٹر بڑے غصے سے
 اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

”بالکل نہیں، البتہ آج رات کو فرسٹ کلاس کے شریف مسافروں کو
 تنگ کرنا۔۔۔۔۔“

”میں معذرت خواہ ہوں“ انسپکٹر نے بات کاٹتے ہوئے کہا مگر کچھ ایسی ہی

بات تھی جس کے طے مجھے آپ کو بے آرام کرنا پڑا۔
 راکھ سنا اپنے نیڈ بیگ سے ٹکٹ نکال کر دکھایا۔
 ”تو آپ خواب گنج سے آ رہی ہیں؟“ انپکٹر نے کچھ عجیب سے لہجہ میں کہا۔
 ”آپ کا نام۔“

”رخسانہ“

”آپ تنہا سفر کر رہی ہیں؟“
 ”جی“ رخسانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔
 ”میرا مطلب ہے.....“ انپکٹر کہتے کہتے رک گیا۔
 ندیم نے ایک زوردار کراہ کے ساتھ کدھ بدل تھی۔
 ”بیگم“ وہ بڑی بیمار آواز میں بولا۔ ”اسے بھی رخسانہ بیگم کہاں ہو تم۔۔۔“
 میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔
 ”یہ آپ کے شوہر ہیں؟“ انپکٹر نے نسبتاً آہستہ آواز میں پوچھا۔
 ”ہائے..... اسے یہ کون نام معقول لگا پھاڑ رہا ہے..... ہائے.....
 تم کس سے بات کر رہی ہو بیگم..... سنا نہیں..... میرے سر میں بے تماشا
 درد جو رہا ہے..... اس سے کہو خدا آہستہ لو لے..... ہائے..... اور
 اور..... ہائے..... تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ..... ہائے
 مر گیا..... کہ خدا سر ہی دبا دو۔“

ندیم نے چادر منہ سے بنا دی۔ رخسانہ چونک پریمی..... ندیم
 کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں..... وہ تو سچ کچ کسی ایسے شخص کی آنکھوں
 سے مشابہہ تھیں جس کے سر میں شدید درد ہو رہا ہو۔ وہ جلدی سے کی طرف بڑھی۔
 ”آپ کی طبیعت تو واقعی غراب معلوم ہوتی ہے“ اس نے گھبراتے ہوئے کہا
 ”میں سمجھ رہی تھی شرارت کر رہے ہیں۔“
 ”ہائے“ ندیم کراہا ”ٹھیک ہی کہا ہے کسی شاسونے..... ہائے.....“

کسی کی جان گئی..... ہائے..... "جہد آپ کی ہوا ٹہری۔ میں یہاں سرود سے
انتقال فرما رہا ہوں..... ہائے..... اور آپ یوں بے تعلق بیٹھی ہیں...
..... ہائے... جگہ در سروں سے ہنس بول رہی ہیں..... ہائے... بیسے
میں نے آپ سے شادی نہیں کی کہیں سے بھاگ کر آیا ہوں..... ہائے"
وہ صاف کیچے کا جناب "انپکڑ نے حفت آمیز لہجہ میں کہا " میں سمجھا تھا
کہ یہ خاتون تنہا سفر کر رہی ہیں۔"

"جی" ندیم نے آنکھیں نکال کر انپکڑ کو گھورا "کیا مطلب ہے آپ کا
..... ہائے..... اگر میری بیوی اکیلی سفر کر رہی ہوتی تو کیا آپ کا دل دھچکے اور
تھا..... ہائے"

"آپ غلط سمجھے" انپکڑ جلدی سے بولا "میں پولیس انپکڑ ہوں ایک لڑکی
نواب گنج سے اپنے والدین کے گھر سے نقدی اور زیورات لے کر بھاگ نکلی ہے۔
ہم اسے تلاش کر رہے ہیں؟

ہائے..... معلوم ہوتا ہے انپکڑ صاحبہ کہ پولیس کی عازمت میں...
..... ہائے..... آپ نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا..... ہائے.....
اسے بھاگنے والی لڑکیوں کی صورت ایسی ہوتی ہے
اس نے رخسانہ کی طرف دیکھا:

"ادھم..... ہائے..... بس کھڑی مجھے ترپتے ہی دیکھتی رہنا.....
ہائے... خدا دشمنوں کو بھی ایسی ہی بیوریاں دلائے دیکھ مہرے جو انپکڑ.....
ہائے... بیگم صاحبہ سے اتنا نہیں ہوتا..... ہائے... کہ ذرا سر
دبا دیں۔"

رخسانہ دل ہی دل میں تاؤ کھا رہی تھی۔ مگر صورت حال ایسی تھی کہ مجبوراً
اسے نفس کے بجائے چہرے سے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہی پڑا
اس نے ندیم کی پریشانی پر ہاتھ رکھا اور بے دلی سے سر دبانے لگی۔

اس طرح نہیں ندیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر برہتہ پر اپنے سر ہانپے بٹھا لیا اور پھر بڑے
 اطمینان سے رہنا سراں کے زانو پر رکھ کر بولا "ہاں اب دباؤ بیگم ہائے
 انسپکٹر کے جو نمٹوں پر ایک خفیف سا مسم غرور دار ہوا۔ اس نے پلٹ کر
 اپنے ساتھی کانسیٹیل کی طرف دیکھا۔

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو واقعی بیکار ہی زحمت دی" اس نے خیر
 لاکھٹ ندیم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور کانسیٹیل کے ساتھ ڈبلے سے ہنسی
 "وہ اور ورنہ بد کرتے جاتا۔ انسپکٹر صاحب ہائے" ندیم نے
 انسپکٹر نے دروازہ بند کر دیا۔

رخسانہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں شعلے پر سدہ جی تھیں۔ یہ
 حرکت تھی اس نے تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

ندیم اٹھ کر بیٹھ گیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بڑے
 گہری نظروں سے رخسانہ کی طرف دیکھا۔

"تو آپ گھر سے بھاگ کر جا رہی ہیں" وہ ایک کش لگاتے ہوئے بولا۔
 "میری بات کا جواب دیجئے۔ میں کہہ رہی ہوں۔ انھار آپ نے کیا سمجھا

یہ حرکت کی تھی۔"

"کتنے ضرورت اور کتنی لقمہ می لے کر فرار ہوئی ہیں؟ ندیم نے دوسرا سوال کیا۔

"بھگواس بند کیجئے۔ میں کوئی آواز لڑکی نہیں ہوں" رخسانہ پیر وٹھتے ہوئے

بولی "میں اپنی ایک سسلی کے پاس دولت آباد جا رہی ہوں۔"

"آج کل کی لڑکیاں تو کسی نہ کسی فریبوں کے ساتھ بھاگتی ہیں حیرت

آپ نے اکیلے فرار ہونا کیوں پسند کیا؟ ندیم جیسا پنہا آپ سے باتیں کر رہا تھا
 لکن اسے اذراہ احتیاط وہ کسی دوسرے ڈبلے میں بیٹھا ہو۔ یا کسی دوسری شہر

سے پہلے ہی دولت آباد پہنچ گیا ہو۔

انجن کے دسل دسیٹھی آواز آئی اور شرین جھٹکا کھٹکا آہستہ آہستہ آگے بڑھتا

”آپ میرے بارے میں ایسی بے بنیاد جھوٹی باتیں سوچنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔“
رخسانہ نے چلا کر کہا۔

”حق کیوں نہیں ہے غلام آپ قانون کے دوزخ دار اور کان کے سامنے
میری بیوی ہونا قبول کر چکی ہیں۔ ندیم شرمی سے بولا

”میں پوچھتی ہوں آخر آپ کو یہ بات کہنے کی ہمت کیسے ہوئی؟“

”اگر میں یہ نہ کہتا تو آپ اس وقت پولیس کی حراست میں نہ ہوتیں؟“

”تو کیا اس کے لئے یہ یہ سب کچھ بھی ضروری تھا۔“

رخسانہ برقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھلائی۔

”کیا سب کچھ میں سمجھا نہیں؟ ندیم نے دلفستہ ہنسنے کی کوشش کی۔

”یہ ہی مجھے ہاتھ پکڑ کر برقعہ پر مٹھا دینا اور“

”ادو آپ کا مطلب ہے وہ مرد باغی و لادراور؟ ندیم نے اس کی مشکل

آسان کرتے ہوئے خود ہی کہہ دیا۔ ”مگر میرے سر میں واقعی درد ہو گیا تھا، آپ

کی باتیں سن سنبھالنے کے لیکن ایک بات ہے، صورت تو خیر جیسی آپ کی

ہے کیا کہا جاسکے۔ مگر ہاتھوں میں پکڑ کر کوئی جادو ہے، درد بالکل غائب ہو

چکا ہے۔“

”میں اگلے اسٹیشن پر ڈبے سے اتر جاؤں گی، رخسانہ نے کہا اور اپنی برقعہ

پر جا کر بیٹھ گئی۔

”میری طرف سے آپ ابھی چلتی ٹرین سے چھٹنگ لگا دیں؟ ندیم ہلک

سکڑ کر بولا۔ ”میں خود دو شریف آدمیوں کے سامنے آپ کو لہنی بیوی کہہ کر پکھا

رہا ہوں کہ اب کہیں خدا نخواستہ آپ اگلے ہی پڑ گئیں تو کیا ہو گا؟“

میری جوتی پڑتی ہے آپ کے گھگھے کبھی صورت دیکھی ہے آئینہ میں؟“

”کم سے کم آپ کی طرح نکلی چوٹی نہیں ہے۔“ ندیم نے منہ چڑھاتے ہوئے

جواب دیا۔ ”کیا حاکم ہوئی ہے مجھ سے اب دولت آباد تک ہر اسٹیشن پر لے

سے یہ ہی بھڑک بولنا پڑے گا کہتے ہیں۔ دن رات میں ایک ٹھڑی ایسی بھی ہے کہ آدمی جو منہ سے نکالتا ہے وہ ہی ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ ہی سوچ سوچ رہا تھا کہ ہوا جا رہا ہوں کھا گیا ہوں تو محض آپ کی وجہ سے بچوں کے جو کھانے فائش میں رکھنے کے قابل ہوں گے؟

”شٹ اپ؟“ رخسانہ مشرق و مغرب سے سرخ ہوتے ہوئے چیخی۔
 ”یہ کیا آپ بار بار شٹ اپ شٹ اپ کر کے اپنی انگریزی کی دھجکاٹی ہیں؟“ ندیم نے تیزی سے کہا مگر میں نے آپ کو بیرونی کہہ بھی دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں۔ آپ سچے بیگمات کی طرح میری زبان پر پہاڑ کا رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دوبارہ رسالہ اٹھا کر اسکی گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کا ذہن یہ سوچ کر ضرور پریشان ہو رہا تھا کہ واقعی دولت آباد تک یہ چکر چتا رہا تو کیا ہوگا۔

ندیم نے ایک گہرا کٹھن لے کر سگریٹ کا ڈنا ٹرین کے باہر بیٹے ایک مرتبہ پھر چادر تان کر برقعہ پر لیٹ گیا۔ دس پندرہ منٹ تک کپڑے میں بالکل خاموشی چھائی رہی یہاں تک کہ رخسانہ کو ٹرین کی رفتار آہستہ ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ کوئی ٹرین ٹرین پلیٹ فلام کی حدود میں داخل ہوئی تو رخسانہ نے دیکھا کہ یہ

چھوٹا سا دیہاتی اسٹیشن ہے۔ نام کا لوڈ ہیٹ وورلڈ ہوا تھا اسٹیشن فلام پر بجائے مٹی کے تیل کی فلائینوں کی روشنی اتنی ہلکی تھی کہ وہ عمارت پر پڑھ سکی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ خواہ کچھ ہو وہ اس بد نیز نو جوان کے ساتھ جس نام پر نہیں۔ واقعی مخدوم تھا یا کچھ اور ہرگز سفر نہیں کر سکی مگر پھر بھی احتیاط طور پر اس نے حالات کا جائزہ لینے کے خیال سے سوٹ کیس لے کر اترنے بجائے اکیلے اترنا زیادہ مناسب خیال کیا ندیم بہ مستور چادر اوڑھے لیتا ہوا تھا۔ زینے پر ہاتھ رکھ کر ٹکٹ گاہ واپس کھولا اور پیچھے اتر گئی۔

اس نے اطمینان کی سانس لی۔ کوئی پولیس کانسٹیبل نظر نہیں آ رہا تھا وہ کسی دوسرے فرسٹ کلاس ڈبے کی تلاش میں آگے چلنے لگی۔ ٹرین کا گارڈ ایک ڈائٹنگ ہاتھ میں پکڑے غالباً اسٹیشن ماسٹر سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ دو تین ڈبوں کے سامنے مسافر اترے کھڑے تھے۔ کسی ٹرین کی آمد پر جرحیل پہل بڑھ جاتی ہے یہاں اسٹیشن اس سے بالکل خالی تھا۔ ایک ڈبے کے سامنے سے گزرتے ہوئے رخسانہ نے محسوس کیا کہ سامنے کھڑے دو آدمیوں سے بڑے عقہ سے گھور کر دیکھا۔ کیا مصیبت ہے اس نے دل میں کہا کیا اس تھرڈ کلاس ٹرین میں کوئی اور فرسٹ کلاس کپارٹمنٹ ہی نہیں ہے۔ کافی آگے جا کر رخسانہ کو ایک دہرہ نظر آیا۔ اس نے اوپر چڑھ کر دیکھا۔ ڈبہ بالکل خالی تھا۔

وہ دونوں آدمی ٹہلتے ہوئے اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے اور اب کپارٹمنٹ کے سامنے کھڑے تھے بے اختیار رخسانہ نے اپنے دل میں خوف کی تھر تھری محسوس کی۔ وہ جلدی سے نیچے اتر آئی۔ اس سسٹن ڈبے سے تو اس کا کپارٹمنٹ ہی بہتر تھا۔ مخدوم بد تیز انداز میں پھوٹ ضرور ہے۔ مگر اس نے ابھی تک کوئی غیر شرعیہ حرکت نہیں کی ہے۔ رخسانہ نے دل میں کہا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی واپس بدل پڑی۔

اس کے پیچھے قدموں کی چاپ برابر سنائی دے رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دونوں آدمی اب بھی رخسانہ کے پیچھے گئے ہوئے ہیں۔ اس کا دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔ انجن نے ایک دھل دی اور رخسانہ لپک کر ڈبے میں چڑھ گئی۔ اس وقت ٹرین نے ایک جھٹکا کھایا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے رخسانہ نے ندیم کی طرف دیکھا اور دروازہ بند کرنے کی محنت کی کہ کسی نے بڑے دھڑ سے دروازہ سے کودھکا دیا۔ تو اذن برقرار رکھنے کی کوشش میں رخسانہ اپنی برقع سے جا بکرائی۔ وہ ہی دونوں آدمی اندر داخل ہو رہے تھے۔

پہلی مرتبہ رخسانہ نے بکلی کی دشمنی میں ان کے خوفناک چہروں کو دیکھا

اور کانپ کر رہ گئی۔ دونوں چھٹے ہوئے بد معاش نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے پیلے پیلے دانت نکال کر مسکراتے ہوئے رخسانہ کی طرف دیکھا اور سر ہٹھکھٹکا ہاتھ پھیرنے لگا۔ دوسرا دروازہ اندر سے بند کرنے کے بعد اب گھورتی ہوئی نظر سے ندیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مرد پتھروں والا بڑی بے تکلفی سے رخسانہ کی برتھ پر بیٹھ گیا۔
 ”میرا نام بہادر ہے وہ بولا اور میرے ساتھ کا نام شیرا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟
 رخسانہ سیٹ پر دو رنگ کھسک گئی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور چہرہ خوف کے اندر سفید پڑتا جا رہا تھا۔ اس نے بہادر کی بات کا جواب دینے کے لئے بجائے پُر امید نگاہوں سے ندیم کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک سے پاؤں تک چادر تانے لٹا ہوا تھا۔ اس کے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہوئی کہ لاش وہ جاگ اٹھے۔

بہادر نے اس کی نگاہوں کو ندیم کی طرف اٹھتے دیکھا۔
 ”یہ کون سو رہا ہے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”مم..... میرے شوہر مخدوم صاحب! رخسانہ نے بڑی ہمت سے

جواب دیا۔

”بڑا نادان ہے تمہارا شوہر کہ اتنے قیمتی خزانے کو بغیر کسی حفاظت کے گھر کی حفاظت کی نیند سو رہا ہے۔ بہادر نے کہا اور شیرا کی طرف دیکھ کر کچھ ہلکا سا ہنسی بکھڑکی۔
 اپنی جگہ سے کھسک کر ندیم کی سیٹ کے قریب کھڑا ہو گیا۔
 ”تم ایسے ڈپر واہ شوہر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟“ بہادر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے ساتھ چلو زندگی میں وہ عیش کرنے کو ہیں جو تم نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں۔“

”خاؤ ڈو“ ندیم نے چادر پھینک کر جباہی لیتے ہوئے منہ پھاڑا۔
 ”شوہر رہے جاؤ“ وہ منہ چلاتے ہوئے بولا ”میں اس ملاکن بیوی

تس فرمائشوں سے تنگ آچکا ہوں۔
 خیر نے حبیب میں دامنہ لٹاتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔
 ”خبر دینا بہادر نے ہاتھ اٹھایا مجھے یہ زجران کچھ عقلمند نظر آتا ہے۔“
 ”اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ بھائی صاحب“ ندیم نے جلدی سے کہا۔
 ”بڑا احمق تو تم نے صرف آئینے میں ہی دیکھا ہو گا۔ سوچنے کی بات ہے کہ عقلمند
 ہوتا تو درد سوز دہلی کا کلرک ہو کر ایک فیلڈ رسل متلی سے شادی نہ کرتا۔ پچاس
 روپیہ مہینہ تو کر رہا ہے ڈر سرخی نیل پالش اور سینٹ وغیرہ میں اور جاتا ہے بقیہ بیڑہ
 ہو کر پڑی اور سینما میں مینی کی تذرہ ہو جاتے ہیں۔ دو وقت کی روٹی کے سٹے ہر مہینہ دو
 سو روپیہ قرض لینا پڑتا ہے۔ چھ ماہ میں دو ہزار کا مفروضہ ہو چکا ہوں آخر قرض
 خواہوں کے ڈر سے دولت آباد کا رخ کیا ہے۔ دیکھنا ہے قسمت وہاں کیا دکھاتی ہے۔“
 ”بہت تنگ آتے ہوئے ہو بہادر نے مسکرا کر پوچھا۔

”تنگ اور سب جان سے ہزار بیٹھا ہوں بھیا“ ندیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری
 اور دس ہزار ہر کی تلوار سر پر نہ تنگ رہی ہوئی تو قح ہی طلاق دے دیتا۔
 ”خسانہ حیرت سے ندیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
 تھا کہ آخر اس تمام گفتگو کا مطلب کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔
 ”یہ بات ہے تو اپنی یہ معیت ہمیں دسے دو“ بہادر نے ایک لنگھارتے
 ہوئے کہا۔

”کیوں مذاق کہتے ہو یا۔ میں اتنا خوش نصیب کہاں ہو سکتا ہوں۔“
 ”یقین کرو ہم اسے ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں سے یہ دھبہ نہیں
 دیشان کرنے نہ آسکے گی۔“
 ”کہاں لے جاؤ گے۔“

”کسی زمیندار کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ یا کوٹھے پر بٹھا دیں گے“ بہادر نے
 بڑی صفائی سے بتایا۔

”مگر کچھ“ ندیم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ بہادر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اور ندیم واہ میر سے مولا کا نعرہ یاد کروا دیا۔ ”میر نے سجدہ پر زور دیا۔
”شکر ہے یا اللہ تیرا ہزار بار شکر ہے“ وہ سر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ”تو نے
کیسے کیسے بندے اس دنیا میں پیدا کئے ہیں؟“

اس نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر بڑی گر خوشی سے بہادر سے ہاتھ ملایا۔
”خدا تمہیں ہر راحت سے پچاسے بڑے بھیا“ ندیم کی آواز بھرائی ہوئی
”تم نے آج وہ کام کیا ہے جو خدا کے مردود و محسوب بندے ہی کر سکتے ہیں۔
”ہی“ بہادر کچھ چونکا۔ غالباً وہ اتنا جاہل بھی نہیں تھا جتنا نظر آ رہا تھا۔
”کس سے پچاسے؟“

”آفت سے بڑے بھیا آفت سے“ ندیم نے جلدی سے کہا۔
”اور اس سب کو کیا کہا تھا؟ بہادر ابھی مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔
”میں نے کہا تھا کہ تم نے وہ کام کیا ہے جو خدا کے محبوب بندے
کر سکتے ہیں۔“

”تم خوشی سے انہی بیوی بہادر سے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو رہے
نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔
”بڑی خوشی سے صرف پانچ ہزار کی معمولی رقم کے بدلے ندیم نے
ہوئے جواب دیا۔

”پانچ ہزار؟“ بہادر نے حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔ ”تو بہادر سے
تو شکافے ہیں؟“

پہلے نہیں تھے مگر اب شکافے آگئے ہیں؟
”نہ یہ رقم تو بہت زیادہ ہے۔ تم یہ نہیں سوچتے کہ ہمایک معیت سے
بچھا چھڑا رہے ہیں؟“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ بڑے بھائی مگر اس عودت کی وجہ سے جو مفروضہ ہوگا“

اس بھی کہنے لگا: "ندیم نے جواب دیا: "آخر تم بھی تو کسی بڑے زمیندار سے دس
ہزار روپوں کر ہی لو گے۔"

"ارے نہیں اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں اور وہ بھی شادی شدہ لڑکی کے
دور نے جواب دیا۔

"شادی شدہ تو یہ صرف نام ہی کی ہے۔" ندیم نے بڑی بچائی سے کہا۔ "زرا
سے دیکھو۔ یہ حسن یہ جوانی۔ یہ مٹھ دل جسم یہ نشیب و فراز، میں تو کہتا ہوں ککوئی
دال لواب دیکھ سے تو پوری ریاست قربان کر دے۔"

"مگر ہم پانچ ہزار نہیں دے سکتے۔" شیرا نے سخت لہجہ میں کہا۔
"تم نے اپنا قرض دو ہزار روپے بتایا تھا تا بہادر نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"بس تو دو ہزار روپے لے لو۔"

"کیا کر رہے ہو بہادر جو مال ہم مفت میں حاصل کر سکتے ہیں اس کے لئے
بڑی رقم خرچ کرنا بیوقوفی ہے۔"
شیرا کچھ غصے سے بولا۔

"بس چپ کر شیرا۔" بہادر نے جواب دیا۔ "یہ بھی کوئی اپنا ہی بھائی بند
ہم ہوتا ہے۔ دو ہزار دے کر ہم کہتے کہ تین گنا کم لیں گے۔ دیکھتا نہیں کیا
لاب مونی ہے۔"

بہادر نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی چادر کھولی اور اس میں سے دو ہزار کے
نکال کر ندیم کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ ندیم نے بڑی احتیاط سے ایک ایک
ٹکٹا اور گڈامی بنا کر حیب میں رکھ لئے۔ رخسانہ جواب تک ندیم کی اس نئی تبدیلی
حیرت سے دیکھ رہی تھی ایک دم جوش میں آ کر لٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھئی نہیں معلوم تھا وہ ندیم کی طرف دیکھ کر انتہائی نفرت بھرے لہجہ
بولی کہ جس شخص کو میں اپنا مہلا سمجھ رہی ہوں وہ سب سے بڑا فحشی اور

مسکارتا ہوا۔ اس بظاہر شریف چہرے کے پیچھے اتنی مکروہ شیطانی فطرت چھپی ہوئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تم سے تو یہ غنڈہ سے ہی بہتر ہیں کہ جو یہ وہ ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ کسی تجارتنی جنس کی طرح میرا سودا کر لو گے تو یہ نہیں ہو گا۔ میں ابھی زنجیر کھینچتی ہوں۔ وہ جو شش میں خطرہ کی فلتی ہوئی زنجیر کی طرف بڑھ رہی۔

”وہاں کہاں جا رہی ہو میری جان“ شیر نے جیب سے چاقو نکال کر رخسانہ کے سامنے کر دیا۔ رخسانہ سہم کر پیچھے ہٹی۔

”تم ادھر آکر صینے پاس بیٹھو“ بیمار نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر گسیٹ لیا۔ ابھی تم کہہ چکی ہو کہ تمہارے شوہر سے تو ہم لوگ ہی اچھے ہیں۔ یقین کرو ہم واقعی بہت اچھے ہیں۔ جب تک کوئی مالدار لاکھ نہیں ملے گا تمہیں بڑی حفاظت اور بڑے آرام سے رکھیں گے۔ اگلے اسٹیشن پر تم چپ چاپ ہمارے ساتھ اترنا۔ وہ دن تم نے دیکھ ہی لیا کہ میرا ساتھی بات بات پر چاقو نکال لیتا ہے۔ تم نے کوئی خدشتہ کی اور اس نے کھج سے چاقو مارا۔ ہمارے تو صرف دو ہی ہزار جائیں گے مگر تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔

”ادھائی“ ندیم نے بیمار کو مخاطب کیا۔ ”اگلے اسٹیشن پر اترے پھر دو“ تم نے کہاں سے ملے کر لیا۔

”تم اپنی بیوی ہمارے ہاتھ بیچ چکے ہو۔ اب ہماری مرضی ہے اسے جہاں چاہیں لے جائیں۔“

بیوی! بچنا تو ٹھیک مگر جہاں چاہیں لے جائیں والی بات نہیں چلے گی۔ کیا مطلب؟

”مطلب یہ کہ بیوی تو میرے ساتھ دولت آباد ہی جائے گی جب کوئی

لاکھ مل جائے اگر ملے جانا؟

”میں نے تم سے کہا تھا بیمار یہ معاملہ لوں ملے نہیں ہو گا۔ شیرا نے کہا

لہذا "اب یہ دو ہزار کی رقم مارنے کی فکر نہیں ہے۔"
 "ارے ارے" ندیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ کیا کر رہے ہو شیرا یار، مذاق ہی مذاق
 میں کہیں لگ گیا تو روستے پھر دے گے۔"

"میں روتا پھروں گا" شیرا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
 "ارے لا حول و لا قوہ، زبان پھسل گئی بھیا" ندیم جیسے بوکھلا کر کئی قدم
 پیچھے ہٹ گیا۔ "میں کہنا چاہتا تھا کہ تم دونوں روستے پھر دے گے۔"
 شیرا نے آگے بڑھ کر اسٹے ہاتھ سے ندیم کا گریبان پکڑ لیا۔
 "معاف کر دو ریا غلطی ہو گئی۔ یہ چاقو دغیرہ دیکھ کر ہی میری جان نکلی گئی
 ہے" ندیم نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔
 "چلو میں کان پکڑ لیتا ہوں" اس نے ہاتھ بڑھا کر شیرا کے کان پکڑ لئے۔
 شیرا کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکلی، اس نے سر کو ایک جھٹکا دیکر
 اپنے دونوں کان چھڑائے اور چاقو والا ہاتھ سر سے بلند کر کے پوری طاقت سے
 ندیم کے پیٹ کی طرف لایا۔

"اے مرگیا" ندیم نے چیخ ماری اور جیسے انتہائی بوکھلا ہٹ میں اس
 کے ہاتھ آگے کی طرف بڑھ گئے شیرا کا ہاتھ نیچے آیا تو ندیم کی گرفت میں تھا۔
 "بہادر بھیا دبائی ہے" ندیم کا بے ہوشی آواز میں چیخا "ارے اس اپنے یا شیرا
 کو سمجھا لو نا، یہ تر خون خرابے پر تلا ہو رہا ہے۔"

"بزدل" رخسانہ نے انتہائی نفرت و حقارت کے ساتھ کہا اور مسدو دہری
 طرف پھیر لیا۔

شیرا بدستور ایک ہاتھ سے ندیم کا گریبان پکڑے چاقو والا ہاتھ چھڑانے
 کی کوشش کر رہا تھا۔ بہادر بڑے اطمینان سے، جیسے اس کے سامنے کوئی پر لطف
 تماشا ہو رہا ہو، ہاتھ پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔
 "اے شیرا" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا "ذرا کچھ کھلا لیاں تو

لڑنے سے شکار کو

بہادر کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ندیم نے جو شیرا کے ہاتھ کو پکڑ لیا
پکڑے سر کے اوپر لے گیا تھا۔ ایک دم ہلکا کھایا اپنا کندھا شیرا کی بغلی کے
نیچے دیا اور بھر جویدھا گھٹنا فرش پر جھٹکا دیا ہے تو شیرا اس کے سر کے اوپر سے
جیسے برا میں تیرتا ہوا کپڑا ٹنٹ کی دیوار سے بڑے زور سے ٹکرایا۔ یہ سب کچھ
پلک جھپکتے میں ہو گیا۔ اتنی تیزی سے کہ بہادر کو ٹھیک سے سمجھنے کا موقع بھی نہیں
مل سکا۔ اس نے تو یہ ہی دیکھا کہ ایک لمبے شیرا ندیم پر چاقو تانے کھڑا تھا
دوسرے لمحہ وہ فرش پر لبا لبا لپٹا ہوا تھا۔ حیرت کے مار سے بہادر کے ہونٹوں
میں دبا ہوا سگریٹ نیچے گڑ پڑا۔

دھڑکھٹن کر رخسانہ نے بھی پلٹ کر دیکھا اور تعجب سے اس کی آنکھیں
پھیل گئیں۔

”معلوم ہوتا ہے تم نے بہادر بیٹا کا کپڑا ٹھیک سے نہیں سنا“ ندیم نے
شیرا کو سہارا دے کر فرش پر بٹھانے ہوئے کہا۔ ”انہوں نے مجھے پھیلنے کے لئے
کہا تھا اور تھوڑی بازی کھائے تم خود“

شیرا کے ہوش ابھی تک بحال نہیں ہوئے تھے۔ وہ بار بار سر جھٹک
رہا تھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا تھا ندیم نے اس کے جوتے
اٹھالیا۔ اتنی دیر میں بہادر مٹیاں کتا ہوا ندیم کی طرف لپکا۔

”دراثر دیار“ ندیم نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”ایک چاقو بدست آدمی پر ہنستے دبا
کرتے ہوئے تمہیں خرم نہیں آتی۔ یہ تو چاقو اور پھر حملہ کرو“

ندیم نے دستے کی طرف سے چاقو بہادر کی طرف بڑھا دیا بہادر کے اٹھنے
جو سے ہاتھ رک گئے۔ اس نے حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا۔ اس کی سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص پاگل ہے یا پوسے درجہ کا بیوقوف۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے
اس نے سیدھا ہاتھ چاقو لینے کے لئے آگے بڑھایا۔ ندیم کی کلائی کو ایک جھٹکا

۵۱
 ساگ اور چاقو جیسے بجلی کی طرح کو نہ تا ہوا کپڑے ٹنٹ کی چست میں بیروست ہو گیا۔
 ”کمال ہے“ ندیم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ ”یار تم کوئی بہادر منتر تو
 نہیں پڑھ رہے تھے۔ تم نے اشد زہری کیا تھا، اور چاقو یوں میرے ہاتھ سے
 نکل گیا جیسے کسی عاشق کے سینے سے دل۔ یا تمہاری ٹانگے دو ہزار مد پیر۔“
 بہادر نے ہنسنے پرستے تیزی سے ہاتھ چلایا۔ اس نے جاپانی طریقہ پر
 ہاتھ سے وار کیا تھا۔ ندیم نے اس انداز سے جیسے دو دوست بڑی مدت کے
 بعد آپس میں مل رہے ہوں۔ سکراتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹ کر اس کا ہاتھ بھانوں
 کی شکل میں پکڑ لیا۔

بھئی واہ دوستی اسے کہتے ہیں۔ ”وہ بہادر کا ہاتھ اور نیچے جھٹکتے ہوئے
 بولام بھی لڑ رہے تھے اور ابھی ہاتھ طار رہے ہیں۔ میں نے تو پہلے ہی شیر اسے
 کہا تھا کہ یہ دھول دھپہ تم سر یا ناز کا شیر ہو نہیں۔ اسے بیگم صاحبہ یہ تم کہاں
 بڑھ رہی ہو؟“

اس نے رخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک کہا۔
 ”یہاں بھی شیرا یہ تو خطرے کی زنجیر کھینچنے لگی ہے۔“ ندیم نے کن آنکھوں
 سے شیرا کی طرف دیکھا۔

شیرا جو فرش سے اٹھ کر ندیم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چونک کر رخسانہ
 کی طرف گھوم گیا اور اس سے پہلے کہ رخسانہ کا ہاتھ زنجیر تک پہنچ سکتا، اس نے
 زہر سے دھکا دے کر اسے برقعہ پر گرادیا۔ چاہتا تھا کہ ایک ہاتھ بھی رسید
 کر دے کہ ندیم چلا یا۔

”ایس کیا کرتے ہو شیرا۔ اب ایسا بھی کیا زنا نہ پن۔ طبیعت صحت
 میں ہے تو ذرا بہادر بھائی کے سامنے آکر تالیاں بجاؤ۔“

شیرا تاؤ کھا کر چٹل بہادر ابھی تک ندیم سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا
 تھا۔ شیرا نے قریب آکر دانت کٹکتے ہوئے پوری طاقت سے گھونسا اٹھایا

ندیم نے پھرتی سے بہادر کو سامنے کر دیا۔ روکتے روکتے بھی شیر اکھڑا بہادر کے گدی پر پڑا اور وہ وہیں گردن پکڑ کر فرش پر بیٹھتا ہل گیا۔

”حول ولا قوۃ کیا بالکل ہی اندھے ہو گئے ہو نہ اپنا دیکھتے ہو نہ پرہیزا بس ہاتھ چلانے سے مطلب“ ندیم نے جیسے بڑے غصہ سے شیر کو ڈانٹا وہ جھک کر بہادر سے پوچھا ”زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟“

اتنی دیر میں شیر لات چلا چکا تھا ندیم وہیں لڑھک گیا اور شیر کے ڈبل سول جوتا جو ندیم کے سر کی طرف آ رہا تھا بہادر کے منہ پر لگا۔ بہادر ایک چیخ مار کر پیچھے کی طرف الٹ گیا اس کا ہرنٹ پھٹ گیا تھا اور شاید سلسلے کا ایک دست بھی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ اسی کے منہ سے نوال کی دھار بہہ نکلی۔

ڑپوں کی رفتار آہستہ ہونے لگی تھی۔ شیر اجواس عادیہ پر ایک دم سراسیمہ نظر آنے لگا تھا۔ پھرتی سے جھکا۔ بیہوش بہادر کو اپنے کندھے پر ڈالا۔ ایک کمرے کے دروازہ کھولا اور جھانگ لگا کر تاریکی میں کہیں غائب ہو گیا۔

”اے بھائیو“ ندیم نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی ”اسیٹش تو آتے دیا جوتا۔“

رخسانہ برقعہ پہنٹھی ہوئی پھٹی پھٹی نظروں سے ندیم کو گھور رہی تھی۔ ندیم نے جیسے بڑی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کھڑکی سے ہٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

”آپ نے بھی نہیں روکا۔ اب اگر ٹرین سے کودنے میں اس بچہ کے کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے تو اس کا عذاب تو اب کس کی گردن پر ہو گا۔“

وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ ایک سگریٹ نکال کر سگایا۔ کش لگاتے کچھ عجیب نگاہوں سے رخسانہ کو دیکھا۔ ”تو یہ جتنے آپ کے معافی۔ ان کے ساتھ کمرے بھائی تھیں۔“

رخسانہ کا چہرہ ہوا بھی تک خوف و گھبراہٹ سے زرد ہو رہا تھا۔ ایک

غصہ سے سرخ ہو گیا

”میں نے آپ سے زیادہ بدتمیز و بیہودہ انسان آج تک نہیں دیکھا،
وہ پھر کر بولی۔“

”جی ہاں آپ کے خیال میں غالباً تہذیب و شرافت کا تقاضہ یہ تھا کہ
میں آپ کے حمایتیوں کے ہاتھوں چپ چاپ مار کھالتا۔ ندیم نے کچھ تلخی سے
جواب دیا ”گمبھیے افسوس ہے کہ میں ایسی شرافت کا قائل نہیں ہوں۔“
”وہ میرے حمایتی نہیں تھے، رخسانہ نے چمچ کر کہا۔“

”ساتھ تو آپ ہی سہے کر آئی تھیں۔“
”غالباً یہ کوئی چھوٹا سا امیشین تھا یا ڈرائیور کو مرن کھیر نہیں ملی تھی کہ ٹرین
بشکل ایک منٹ رک کر دوبارہ چل پڑی۔“

”وہ میرے ساتھ نہیں میرے پیچھے لگ کر آئے تھے، رخسانہ نے بتایا
”میں ان سے پہنچنے کے لئے دو واڑہ بند کر رہی تھی کہ وہ زبردستی اندر گھس آئے۔ مجھے
امید تھی کہ آپ خواہ کتنے ہی بدتمیز کیوں نہ ہوں مگر اتنی شرافت تو رکھتے ہوں گے
کہ مجھے ان غنڈوں سے بچا سکیں۔ میں سوچا بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ بے لکڑی اور
بے سہارا دیکھ کر ان بدعاشوں سے میرا سودا کرنے لگیں گے مگر آپ شاید اسی قسم
شرافت کے قائل ہیں۔“

”اوہو“ ندیم ایک دم چونک کر بولا ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ غنڈے
آپ کو بچڑ کر لے جا چکے ہیں۔“

رخسانہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ یہ بات اس کی بھی سمجھ میں نہیں
آئی تھی۔ اگر مخدوم رخسانہ کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس کا نام واقعی
مخدوم ہے۔ مگر ظاہر ہے وہ اس کے بارے میں صرف اسی نام سے سوچ سکتی
تھی واقعی اس کا سودا کرنا چاہتا تھا۔ تو وہ ان غنڈوں سے لڑکیوں پڑا۔ وہ لڑائی
بھی کیسی۔ وہ دونوں اسی دھوکے میں بند کھائے کہ مخدوم انہما درجہ کا بزدل ہے

”یہ مجھے ندیم کی آواز نے رخسانہ کو اس کے خیالات سے جھٹکا دیا۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کسی صاحبِ دل سے واسطہ پڑا تھا۔ اس نے ایک ہزار کے نوٹ گن کر رخسانہ کی طرف بڑھا دیئے۔

”یہ کیا ہے۔“

”اب آپ مجھے یہ جاننے کی کوشش مت کیجئے کہ آپ کو انسانوں کے علاوہ کونسی ٹوٹوں کی بھی پہچان نہیں ہے؟“ ندیم نے کہا۔

”یہ آپ ہی کو مہلک رہیں۔“ رخسانہ نے حشر لیجھ میں جواب دیا۔ ”میں حرام کی دولت کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔“

”حرام کی دولت جن کے لئے ہوگی برگی میں نے تو اسے اپنی جان پر

کھیل کر اور خون پسینہ بہا کر حاصل کیا ہے۔“

”جی ہاں۔ اب یہ محض اتفاق ہے کہ نہ خون آپ کا تھا نہ پسینہ۔“

”مگر وہ جان تو میری ہی تھی جسے میں نے آپ کی خاطر داؤں پر لگا

دیا تھا۔“ ندیم نے جواب دیا۔ ”میں نے سوچا ممکن ہے آپ وہ لڑکی نہ ہوں

جسے پولیس تلاش کر رہی تھی۔ مگر بہر حال گھر سے بھاگی ہوئی ضرور ہیں۔ اور

اس صورت میں دولت آباد پہنچ کر آپ کو روپیہ کی ضرورت ہو سکتی ہے۔“

”جی شکر یہ۔“ رخسانہ نے بڑے رو سکھے لہجہ میں کہا۔ ”آپ

کو میرے بارے میں سوچنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں آپ

کی بے حد ممنون ہوں گی۔ اگر آپ آئندہ مجھے مخاطب کرنے کی

کوشش نہ کریں؟“

”لا حول ولا قوت آپ پر تو کسی کڑک مرضی کا سایہ معلوم ہوتا ہے۔“

ندیم تیرہویں چڑھا کر ہولا لعنت ہے اس پر جواب بات کرتا تو کہا آپ

کی بات کا جواب بھی دے؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر

برقعہ پر دراز ہوتے ہوئے چادر تان لی۔

ندیم کی آنکھ کھلی تو صبح کے چھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اس نے منہ سے چادر ہٹاتے ہوئے سامنے والی برقعہ کی طرف دیکھا۔ رخسانہ اپنی میٹ پر موجود نہیں تھی۔ اس کا سوٹ کیس بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ندیم گھبرا کر علی سے چادر پھینکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ پیدا خیال اس کے دل میں یہ ہی آیا کہ کیس کسی درمیان کے اسٹیشن پر کوئی اور مصیبت تو نہیں آگئی تھی۔ گھبراہٹ کر بیٹھتے ہوئے جب اس کی نگاہ اوپری برقعہ پر گئی تو اس نے دل ہی دل میں لا حول و چارہ اور دوبارہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ رخسانہ اپنی میٹ سے اوپر والی برقعہ پر سوٹ کیس سر کے نیچے رکھے ہوئے سو رہی تھی۔

اگر ٹرین راستے میں زیادہ لیٹ نہیں ہوئی ہے تو سات بجے تک حالت آباد ہو رہی جانا چاہیئے۔ اسن کا مطلب یہ ہوا کہ منزلی معصومہ پہنچنے میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ کیوں نہ اندازہ ہاتھ دھو کر یا عین ہر تو غسل کر کے علیہ درست کر لیا جائے یہ فیصلہ کر کے ندیم اٹھ بیٹھا سوٹ کیس سے ڈیڑھ میٹ اور برش نکلا۔ تالیہ کند سے پر ڈالنے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر اوپر دیکھا۔ رخسانہ کدوٹ بدل رہی تھی۔ ٹرین کے جھٹکوں سے سوٹ کیس ہلتے پھرتے اور سرکتے سرکتے برقعہ کے کنارے نصف سے زیادہ باہر نکلا ہوا تھا۔ رخسانہ کے سر اٹھاتے ہی اس کا گڑنا لازمی تھا۔

ندیم زیر لب مسکراتا ہوا ٹو اٹلٹ کی طرف بڑھ گیا۔
دانت صاف کر کے منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ کپار ٹنٹ میں ایک ہلکا سا دھماکا

سنائی دیا۔ ندیم نے آہستہ سے ٹوٹاٹھٹ کا دروازہ کھول کر جھانک کر سٹ کیس نیچے گر پڑا تھا اور رخسانہ اوپر والی برجھ سے آدمی لٹکی ہوئی، اترنے کے سٹ پیرل سے پھلی سیٹ ٹوٹی رہی تھی۔ ندیم نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ بڑے المیہ سے سے دو مرتبہ صابن سے منہ دھویا۔ ہاتھ دھوئے پیر دھوئے وہیں کھڑے رہ کر منہ ہاتھ تولیہ سے خشک کئے اور باہر نکل آیا دررخسانہ کی طرف دیکھے بغیر اپنے سٹ کیس کی طرف بڑھا۔ اوپر رکھا ہوا سٹ اٹھانے ہوئے اس نے دزدیدہ نظر سے رخسانہ کو دیکھا وہ تولیہ طرہ برش اور صابن لکھنے کے بعد اب برش پر ٹوٹھ سیٹ لکال رہی تھی۔ ندیم ایک لمحہ کے لئے رک گیا اور رخسانہ نے ٹوٹھ کی طرف قدم بڑھا یا۔ اور ندیم یکسر اس سے پہلے اندر پہنچی چکا تھا۔ رخسانہ جھلا کر رہ گئی۔ پانچ منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے دروازے پر دستک دی کوئی جواب نہیں ملا۔ چند لمحہ ٹھہر کر اس نے دوبارہ دستک مگر پھر بھی خاموشی چھائی رہی۔ تیسری مرتبہ دروازے پر گھونے برسائی ہوئی دو چیخ پڑی۔

”آخر یہ کیا شرارت ہے۔ آپ باہر کیوں نہیں نکلتے۔“
 ”ذرا انتظار فرمائیے۔ محترمہ میں کپڑے تبدیل کر رہا ہوں“ ندیم نے پھر کر جواب دیا اور بدستور ٹوٹاٹھٹ کی کڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔
 ”آپ کے کپڑے ہیں یا شیطان کا کفن کسی طرح تبدیل ہی نہیں ہو سکتا۔“ میری سمجھ میں نہیں آتا آغا آپ اتنی بیتاب کیوں ہیں؟
 ”مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے۔“
 ”کوئی فرق نہیں پڑے گا محترمہ۔ صورت جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔“
 ”آپ نکلتے ہیں یا میں آپ کا سٹ کیس اٹھا کر ٹرین سے باہر پھینک دوں“ رخسانہ نے دھمکی دی۔
 ”اگر آپ نے میرے سٹ کیس کو ہاتھ لگا یا تو اچھا نہیں ہوگا۔“

ندیم گھبرا کر بولا۔

”اور اگر آپ ایک منٹ کے اندر باہر نہیں نکلے تو یقیناً یہی ہو گا۔“
 ندیم نے جلدی جلدی سوٹ تبدیل کیا۔ رخسانہ سب کچھ بعید نہیں تھا کہ
 وہ سچ سوٹ کیس اٹھا کر باہر پھینک دے۔ اتنا دیر سے کپڑے اٹھا کر وہ
 چلتے ہی دانا تھا کہ کچھ خیال آیا۔ دروازے کی طرف دیکھا اور پھر پانی کے پائپ پر
 نیچے ہوئے والو کو۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک نمودار ہوئی اور اس نے
 ہاتھ بڑھا کر والو بند کرتے ہوئے پوری طاقت سے کس دیا۔

”میں دس تک گنتی گن رہی ہوں“ رخسانہ کی آواز آئی۔ ”یقین کیسے
 دس پر سوٹ کیس ٹرین کے باہر ہو گا۔ ایک دو تین
 چار“

”آپ نے تو ناک میں دم کر دیا ہے“ ندیم نے دروازہ کھولتے ہوئے
 کہا۔ ”جائے۔ ذرا ابھی طرح رگڑ رگڑ کر منہ دھو بیٹے گا۔ ٹھیک ہے اسی طرح کچھ
 رنگ نکھر آئے۔ ویسے اتفاق سے میرے پاس بیچینگ پوڈر بھی رکھا ہوا ہے۔
 کہیں تو محوڑا سا دیدوں۔“

شکریہ وہ آپ اپنے لئے ہی مہینے دیں“ رخسانہ سنے تیزی سے جواب
 دیا اور ٹائلٹ میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

والو پائپ پر ٹوٹی سے کچھ فاصلہ پر لگا ہوا تھا۔ ندیم نے واش روم میں
 پانی گرنے کی آواز سنی اور مسکراتا ہوا اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اتنا دیر سے کپڑے
 سوٹ کیس میں رکھے اور سگریٹ سٹگار ہاتھ لگا کر ٹائلٹ کا دروازہ ایک دھمکے
 سے کھلا اور رخسانہ اس علیہ میں کہ ٹوٹے ٹھیکے سے اس کا تمام منہ مٹا ہوا تھا۔
 مصداقِ جوتی باہر نکلی۔

”یہ ٹوٹا ٹھیک میں پانی کیوں نہیں آ رہا ہے“ اس نے ندیم کو گھورتے ہوئے پوچھا
 ”مستضر الشہ پہلے ہی کون سی حسین و جمیل عورتیں کہ اب گندگی محو کر

آگئی ہیں۔ ندیم جیسے بڑی کڑویت سے بولا، ”ذرا منہ دوسری طرف کر کے یا
کیجئے میری طبیعت مالش کرنے لگی ہے“ اور رخسانہ نے واقعی منہ دوسری
طرف کر لیا۔

”ہاں اب کیسے کیا کہہ رہی تھیں؟“

”ٹوٹاٹ میں پانی نہیں آ رہا ہے۔“

”تو میں کیا کروں؟“ ندیم سنبھلا اور وہی سے جواب دیا۔

”اب میں سنبھلتا کس طرح دھوں گی؟“

”ڈرائی کلین کر لیجئے۔“

”آپ نے پائپ کا واٹر تو بند نہیں کر دیا ہے۔“

”جا کر دیکھ لیجئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں کرتا۔“

”آپ کی ذات برادری کا معلوم ہوتا ہے۔“

”آپ نے منہ دھو یا تھا تو پانی آ رہا تھا۔“

”بالکل آ رہا تھا۔“

”پھر تو آپ کی شراکت ہے۔ یہ بھی طرح چل کر اسے کھول دیجئے۔“

”ورنہ آپ سوٹ کیس کے ساتھ مجھے بھی اٹھا کر باہر پھینک دیں۔“

ندیم نے بات کاٹتے ہوئے کہا، ”جائیے نہیں کھوٹا۔“

”پلیز خدمت صاحب“ رخسانہ خوشامد پر اتر آئی۔

”آپ نے سوٹ کیس پھینکنے کی دھمکی کیوں دی تھی اب نہیں دلاؤ۔“

”آپ تمام راستہ مجھ سے لڑتی رہی ہیں۔“

”اب نہیں لڑوں گی۔“

”اچھی بات ہے۔“ ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا وہ اٹھ کر ٹوٹاٹ کی طرف

چلا تو رخسانہ باہر ہی کھڑی رہی۔ ندیم نے والو کھول دیا۔

”ادھر آئیے“ اس نے آواز دی۔

رخسانہ منہ چھپاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

”پانی تو آ رہا ہے“ ندیم نے ٹوٹی کھولتے ہوئے کہا۔

”آپ نے والو کھول دیا ہو گا؟“

”میں نے بند ہی کب کیا تھا؟“

”تو پھر پہلے پانی کیوں نہیں آ رہا تھا؟“

”مجھے کیا معلوم“ ندیم نے جواب دیا۔

”اچھا اب آپ باہر جائیے مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے“

”اور پانی پھر بند ہو گیا تو“

”نہیں ہو گا؟“

پھر سوچ لیجئے میں بار بار اٹھ کر نہیں آؤں گا۔

”مت آئیے گا“

رخسانہ دوسری طرف منہ کر کے بات کر رہی تھی۔ ندیم نے پھرتی سے

اتھا کر والو بند کیا اور باہر نکل گیا۔ رخسانہ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا

کب میں جتنا پانی آچکا تھا اس میں کئی تو خیر اس نے کرا کر گلاب صابن

تھیں لے کر جو ٹوٹی کھولتی ہے تو پانی پھر غائب۔ بہت جلد لائی۔ آخر آپ

میں مجھے پریشان کرنے پر تھے ہوئے ہیں۔“ رخسانہ ایک مرتبہ پھر ندیم

کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

”اب کیا ہوا؟“

”پانی نہیں آ رہا ہے؟“

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا“ ندیم بھڑکنے لگا۔ ”مگر آپ لوگوں کی سہولت

کے کہ مرد کا سہارا بھی نہیں چاہیے اور اس کے بغیر گزارا بھی نہیں ہوتا۔ چلتے

محب دلت آباد تک تو بھگتا ہی پڑے گا۔“

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا چپ چاپ ندیم کے پیچھے ٹرائلٹ میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی
 "ٹرائلٹ کھولے" ندیم نے حکم چلایا جیسے ہی رخسانہ ٹرائلٹ کھولنے کے
 بڑھی ندیم نے دالو کھول دیا۔

"یہ کیا پانی نہیں ہے" ندیم نے ٹرائلٹ سے گرتی ہوئی دھار کی طرف رخسانہ حیرت سے کہیں ندیم کی طرف دیکھ رہی تھی اور کہیں ٹرائلٹ کی طرف
 "چلے منہ ہاتھ دھوئے میرا منہ کیا تک رہی ہیں"
 "آپ جائے گا نہیں" رخسانہ نے جلدی سے کہہ ندیم مسکراتے ہوئے
 "اطمینان رکھیے اب پانی غائب نہیں ہوگا" اس نے جواب دیا اور باہر نکل آیا
 رخسانہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی اور اپنی برقعہ پر بیٹھ گئی۔
 "دولت آباد میں آپ کہاں جا رہی ہیں" ندیم نے پوچھا۔
 "اب زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے" رخسانہ نے جواب
 دیا۔ "میں کہیں بھی جاؤں آپ سے کیا"

"اچھا جی منہ ہاتھ دھو چکی ہونا" ندیم بولا "کوئی بات نہیں ابھی
 کے امتحان اور بھی ہیں"
 "میں ایسی گفتگو کی عادی نہیں ہوں" رخسانہ نے تیزی سے چڑھائی۔
 "آہستہ آہستہ برجائیں گی، مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں"
 "آپ کے لئے ہوں گے، مجھے رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے"
 "پھر تو آپ سے بات کرنا ہی سیکار ہے"
 "شکر ہے آخر کار آپ کی سمجھ میں ایک بات تو آئی؟" رخسانہ
 جواب دیا۔ اور منہ پھیر کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔

ندیم نے دوسری کھڑکی سے دیکھا دولت آباد کی نو اسی سٹیروں
 ہر جگہ تھی اور پھر دس منٹ بعد قرین دولت آباد سٹی پہنچ گئی۔ رخسانہ

سے تیار بیٹھی تھی۔ ابھی ٹرین ٹھیک سے رکی بھی نہیں تھی کہ وہ ایک ہاتھ میں سوٹ کیس پکڑے کپڑے ٹھٹھ کا دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی اور ٹرین کے رکتے ہی نیچے اتر گئی۔ ندیم نے ہلٹ کر اسے اترتے ہوئے دیکھا جیب میں ہاتھ ڈالی کر ٹھٹھ نکالا جو اس پکڑے رخسانہ کا شوہر خیال کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں دے گیا تھا اور آپ ہی آپ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔
 رخسانہ تیزی سے اتر کر گئی مگر پیٹ فلام پر قدم رکھتے ہی پہلی نگاہ ان پولیس کانسٹیبلوں پر پڑی جو ٹرین کے قریب ہی کھڑے ہوئے اترنے والوں کو پڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ ڈبے میں واپس لوٹ جائے مگر نا اڑے آگئی۔ چپکھاتے ہوئے اس نے چلنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اسی لمحہ ایک ٹھٹھ چیکر اس کی طرف بڑھا۔
 ”ٹھٹھ پلیز“ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

رخسانہ نے سوٹ کیس پیٹ فلام پر رکھا اور جینڈ بیگ کھول کر ٹھٹھ پیش کرنے لگی۔ اتنی دیر میں ایک پولیس کانسٹیبل جو دس پانچ قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”گھبراتے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان سے دیکھیے۔ ٹھٹھ چیکر نے ظاہر ہمدردی سے کہا مگر رخسانہ اس کسم لوجہ میں چھپا ہوا طنز صاف محسوس کر رہی تھی۔
 ”گجہ! کون رہا ہے؟“ وہ جگر کر بولی۔

”ممکن ہے آپ نے بیگ کے بجائے سوٹ کیس میں رکھ دیا ہو۔“

ٹھٹھ چیکر نے خیال ظاہر کیا کہ آپ اکیلی سفر کر رہی تھیں۔

”کیا بات ہے؟“ کانسٹیبل بھی شہلے شہلے قریب آگیا تھا۔

رخسانہ کو اچانک یاد آگیا کہ اس نے انیسٹر کو ٹھٹھ دیا تھا اور اس نے دم کو واپس کر دیا تھا۔ اس نے ایک نظر کانسٹیبل پر ڈالی۔ واپس جانے کے سوا

اور کوئی چادر نہیں تھا۔
”اور وہ جیسے ایک دم یاد کرتے ہوئے بولی مگٹ نو میرے شوہر کے

پاس ہے۔“
”جی۔ آپ کے شوہر کا نیٹیل اور مگٹ چیکر نے ایک ساتھ کہا۔
مگر خزانہ سوٹ کیس وہیں چھوڑ کر ڈبے کی طرف بڑھ چکی تھی۔
”مخدوم صاحب“ اس نے اُحد داخل ہوتے کہا۔
”وہ تو پچھلے ہی اسٹیشن پر اتر گئے“ ندرم نے جواب دیا۔ ”کوئی کام

آپ کو“
”میرا مگٹ ہے آپ کے پاس“ خزانہ نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔
”آپ کا مگٹ میرے پاس کیوں ہو گا۔“ حضرت
”خدا کے لئے اس وقت پریشان مت کیجئے۔ باہر مگٹ چیکر اور کا نیٹیل
دونوں کھڑے ہیں۔“

”تو یہ بات ہے“ ندرم نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم لمبے دیر
بڑا سفاک کیجئے کھڑے میں آپ کو بالکل نہیں جانتا۔“
”پلیز مخدوم صاحب“

”یہ پلیز آپ نے کوئی اسم اعظم بھی رکھا ہے کیا“ ندرم نے نرمی سے
دیا۔ بہر حال میں ایک مرتبہ آپ کے اس پلیز کا ذریعہ کھا چکا ہوں۔ اب
دھوکہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“
”میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں“ خزانہ کے چہرے پر ہلکی سی

لمبی تھیں۔
”بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے“ ندرم نے کچھ دیر پہلے کا

کا کہا ہوا فقرہ دہرایا۔
”میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں“ خزانہ گرگڑائی۔

”عشق کے امتحانات کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”ابھی بہت سے باقی ہیں۔“

”اور مقامات آؤ وفتاں“

”شاعر نے سو فیصدی سچ کہا ہے جس جگہ پہلے سے پتہ نہیں تھا۔“
”ٹکٹ چیک کرنے ڈیسک کے دروازے کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی بار پکڑ

کر جانا۔“

”کیوں محترمہ کیا آپ کے شوہر بھی نہیں مل رہے ہیں۔ میرا مشورہ مانئے
سرٹ کیس کھول کر دیکھ لیجئے۔“ اس نے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ ندیم سیٹ سے اٹھ کر سخت الجھ میں پڑا۔ ”آپ کو یہ
بھی تمیز نہیں کہ شریف خواتین سے کس طرح بات کی جاتی ہے؟“

”آپ..... آپ ان کے شوہر ہیں؟“ ٹکٹ چیکر مسکلا۔
”دیکھئے تو نکاح نامہ پیش کر دوں؟“ ندیم سرٹ کیس اٹھا کر تسکے بڑھا بیٹھے
”ساتھ دیکھئے۔“

”وہ رخسانہ کی طرف گھوما۔“

”آؤ رخسانہ ڈارنگ؟“

”ٹکٹ چیکر جلدی سے نیچے اتر گیا۔ اس نے کالمیل کی طرف دیکھ کر نفی
میں سر ہٹایا۔ ندیم پہلے خود اترا اور پھر ہاتھ بڑھا کر رخسانہ کو آگے سے مدد دی۔
”یہ لیجئے۔“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا اور رخسانہ کا ٹکٹ

”اچھی طرح چیک کر لیجئے؟“

”ٹکٹ چیکر نے ایک نظر دونوں ٹکٹوں پر ڈالی اور واپس کر دیئے۔
”اب ذرا اپنا نام بھی بتا دیجئے؟“ ندیم نے جیب سے قلم اور نوٹ بک

”لے لے برے ٹکٹ چیکر سے کہا۔“

”جی۔“

”میں نے آپکا نام پوچھا ہے۔“

”کی کریں گے آپ“

”رپورٹ کروں گا آپ کی“ ندیم نے تیزی سے کہا ”آخر اس جگہ سے آپ کا کیا مطلب تھا کہ کیوں محترمہ کی آپ کے شوہر بھی نہیں مل سکتے ہیں۔ ریلوے آپ کو اسی اخلاق کی ٹریننگ دیتی ہے۔“

”میں معافی چاہتا ہوں جناب۔ دراصل مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔“

چیکر نے جلدی سے کہا۔

”جانتے دو ڈیڑھ بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ رخسانہ نے سفارش کی۔

”اچھا ڈارنگ تم کہتی ہو تو معاف کئے دیتا ہوں۔“ ندیم نے جواب دینے سے ایک قن گنڈہا تھا۔

”اے قلی“ ندیم نے پکارا ”یہ سوٹ کیس اٹھاؤ۔“

وہ رخسانہ کی طرف گھوما اور بڑی بے تکلفی سے اپنا بازو اس کے

میں ڈال دیا۔

”آؤ ڈارنگ چلیں“ اس نے قدم بردھاتے ہوئے کہا۔

رخسانہ کا منہ بن گیا تھا۔ مگر وہ احتجاج نہیں کر سکی۔ پھر بھی کہا

آگے جا کر اس نے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

”میں بھی ہم اسٹیشن کی حدود سے باہر نہیں نکلے ہیں“ ندیم نے کہا۔

”ہے آواز دوں کسی کانسٹیبل کو۔“

”اچھی بات ہے۔ باہر نکل کر آپ کے مزاج پوچھوں گی“ رخسانہ نے

”مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو ڈارنگ“ ندیم ٹھیک سے سن نہیں سکا۔

”کچھ نہیں ڈیر“ رخسانہ دانت پیستے ہوئے بولی ”میں کہہ رہی

میں دھستے آپ کو کتنی رحمت اٹھاتا پڑ رہی ہے۔“

۶۵
 کیسی باتیں کر رہی ہو رخسانہ ڈالر لنگ یہ تو میرے لئے عین راحت ہے۔
 یم نے جواب دیا اور بازو کچھ اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔
 دونوں اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکل کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف برسرِ قلی
 تھے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر قلی کے ہاتھ سے
 سوٹ کیس لے لے ندیم اسے پیچھے کانٹ نکال کر قلی کو دیا۔
 قلی سلام کر کے چلا گیا۔

”کہاں چلنا ہے صاحب“ ڈرائیور نے پوچھا۔ ندیم نے رخسانہ کی طرف اٹکھا
 ”تم سامان رکھو پتہ بھی بتا دیا جائے گا“ رخسانہ نے جواب دیا۔
 ”سامان کا کرایہ علیحدہ ہو گا“

”سے لینا“
 ڈرائیور نے ٹیکسی کا کچھ حصہ کھول کر سوٹ کیس اس میں رکھ دیئے رخسانہ
 سی میں بیٹھنے کے لئے آگے بڑھی۔
 ”یہ آپ نے کیا گرایا ہے“ ندیم نے زمین پر دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”کیا کہاں“ رخسانہ رک گئی۔
 ”یہ تو شاید آپ کی ٹاپس معلوم ہوتی ہے“ ندیم نے جھک کر کوئی چیز
 ملنے ہوئے جواب دیا۔

”میری ٹاپس“ رخسانہ نے جلدی سے کان ٹٹولے۔
 ”جی ہاں ٹاپس ہی ہے“ ندیم کے ہاتھ میں ایک کلپ والی ٹاپس
 نکال رہی تھی۔
 ”غضب ہو گیا“ رخسانہ گھبرا کر بولی ”دونوں کان خالی ہیں۔ خدا دیکھے
 میری بھی پہن گری ہو گی۔“
 ”دوسری تو یہاں نظر نہیں آتی“ ندیم نے طور سے اصرار دہر دیکھتے
 ہوئے جواب دیا۔

اودھ میرے خدا۔ میرے کی مائیں ہیں۔ اب کیا ہو گا؟ رخسانہ بری طرح
نردس معلوم ہو۔ ہی تھی۔
”گجراٹے نہیں میں دیکھتا ہوں۔ ابھی کی بات ہے۔ ممکن ہے
جائے؟ ندیم نے تسلی دی۔

”پلیئر مخدوم صاحب ذرا بلدی جائیے۔ کیا اسٹنٹ سے اترنے پر
میں کہیں رہیں نہ گر گئی ہوتی؟ رخسانہ نے اتھا آمیز لہجہ میں کہا۔
ندیم زمین کی طرف دیکھتا ہوا اسٹیشن کی عمارت کی طرف چلا۔
”ڈبے میں بھی ایک نظر ڈال لیجئے گا؟“ رخسانہ نے پکارا ندیم
اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔

جیسے ہی وہ اسٹیشن کی بلڈنگ میں اندر جا کر نظروں سے غائب
رخسانہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک
ہنسسی رقص کر رہی تھی۔

”چلو ڈرائیور۔ گلشن کالونی“ اس نے ڈرائیور سے کہا جو پہلے ہی اپنی
پر بیٹھ چکا تھا۔

”صاحب کہاں چلے گئے؟“

”جسٹم میں“

”کب تک واپس آئیں گے؟“ ڈرائیور نے پوچھا ”میرا مطلب ہے
دیر انتظار کرنا پڑا تو ویننگ چار جزی علیحدہ ہوں گے؟“

”وہ اب نہیں آئیں گے؟“ رخسانہ نے جواب دیا۔ ”تم ٹیکسی کیوں نہیں
استدراٹ کرتے؟“

ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے چابی گھمائی اور دوسرے لمحہ ٹیکسی اسٹیشن
کی سڑک سے نکل کر مین روڈ پر گھوم چکی تھی۔

ندیم نے کوہ نور اسٹوڈیو کے سامنے ٹیکسی رکوائی۔ اتر کر گریہ ادا کیا۔ اور
گیٹ کی طرف چلا۔ وسیع و عریض آہنی گیٹ بند تھا مگر اس کے پہلو میں ایک
چھوٹا سا دروازہ آمد و رفت کے کھلا ہوا تھا۔ ندیم اندر داخل ہو گیا۔
”اوجھائی“ پرچھے سے چوکیدار نے آواز دی ”کہاں منہ اٹھاتے پتلے

جار ہے ہو“
ندیم رک گیا۔ چوکیدار پک کر اس کے قریب آیا۔
”کیا یہاں منہ اٹھا کر چلنا منع ہے“ ندیم نے پوچھا۔
”جی ہاں منع ہے“ چوکیدار نے جواب دیا ”آج کل بارہ بجی کے گھر سے
کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ ٹائٹریٹر صاحب نے بول دیا ہے کہ کسی کو اندر
مت آنے دو“

”چلے وہ منہ جھکا کر آٹے یا اٹھا کر“
”اٹھانے جھکانے کی بات نہیں ہے صاحب ہمیں کسی کو چھوڑنے
کا آرڈر ہی نہیں ہے“

”تم نے کیا بتایا تھا کس کی شوٹنگ ہو رہی ہے“

”بارہ بجی کے گھر سے کی“

”کب سے ہو رہی ہے“

”کوئی ایک ہفتہ ہو گیا صاحب“

”کمال ہے اور اب تک کوئی اسے شوٹ نہیں کر سکا“ ندیم نے حیرت

ظاہر کی ”سچو ہو تا یہاں کسی کا نشانہ اچھا نہیں ہے“

چوکیدار کے چہرہ پر ہنسی نمودار ہوئی۔

”تم سمجھ نہیں صاحب“ وہ بولا ”مذوق کی نہیں فلم کی شوٹنگ

ہو رہی ہے فلم کی۔ سینہ دانی فلم“

”اوه ندیم نے یوں سر ہلایا جیسے کوئی بہت اہم بات سمجھ میں آگئی ہو

”اور گدھے کا پارٹ کون کر رہا ہے“ ندیم باتیں کرتے ہوئے اگے چلتا تھا۔
 ”اپنے ہیرو و جمال کے سوا کون کر سکتا ہے“ چرکیدار نے جواب دیا۔ ”مگر
 صاحب یہ تم ادا کر کہاں جا رہے ہو۔ گیٹ اس طرف ہے۔“
 ”مجھے مینجر صاحب سے ملنا ہے۔ بھائی بہت ضروری کام ہے۔“ ندیم
 نے بتایا۔ ”میں ان کا سالانہ ہوں۔“

مینجر صاحب آج صبح خود اگر حکم دے گئے ہیں کہ خبردار جو کسی سے
کو اندر آنے دینا نہیں تو اس کے ساتھ تمہیں بھی نکال باہر کر دیں گا۔
”کیا بات ہے چوکیدار“ شریف پتہ نہیں کیسے اس طرف آ گیا تھا۔
”مر گئے، بھاگ گئے صاحب، چوکیدار نے گھبرا کر کہا۔
”اسلام علیکم مینجر صاحب، ندیم شریف کی طرف گھوم گیا۔
”میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مینجر صاحب“ چوکیدار نے جلدی سے
کہا ”یہ صاحب.....“

”ٹھیک ہے تم جاؤ یہ شریف نے چوکیدار کو جاننے کا اشارہ دیا۔
 ”یہ میں پھر صاحب کب سے ہو گیا“ اس نے تمکے بڑھ کنہیہ کا کان پکڑ لیا۔
 ”جب سے سٹوڈیو کے چوکیدار کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سالوں کو خاص
 طور سے انداز آتے دیا جائے۔“

”ارے وہ“ شریف کچھ جھینپ کر بولا ”تم تو جانتے ہو اسٹوڈیو میں۔ مگر اچھے پہلے آدمی کو گالوں کی عادت پڑ جاتی ہے۔“

”نہیں نہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔ یہ میری معلومات میں ایک افتخار ہے۔“

”اچھا خیر اسے چھوڑ دو۔ یہ بتا دو کہ کوئی خط نہ تار یہ ایک دم کیسے ٹپک پڑے۔ گھر پر تو سب خیریت ہے۔“

”گھر کے معاملات گھر چل کر اٹھنا اسے عرض کروں گا۔ آپ کی چھٹی کس وقت ہوتی ہے؟“

”یہاں نہ کوئی کام کا وقت مقرر ہے نہ چھٹی کا“ شریف نے جواب دیا۔

اب یہ ہی دیکھ لو کہ یہ کوئی دفتر کا وقت ہے جو میں یہاں جھٹک مار رہا ہوں مگر چونکہ ایک بڑی پارٹی کی شوٹنگ ہو رہی ہے اس لئے کم سے کم اس کچھ شوٹنگ ہام پر بھی اسٹوڈیو میں ضرور موجود ہونا چاہیے۔ آدھلا آفس میں چل کر بیٹھیں۔“

شریف ندیم کو ساتھ لے کر اپنے دفتر میں آیا۔

”بیٹھو اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا“ دو تین دن پہلے امی کا خط آیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ آئندہ ہفتہ تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ مگر تم یہاں موجود ہو۔“

”میں شادی سے ہی تو بھاگ کر آیا ہوں“ ندیم نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا“ شریف نے سر ہلایا ”میرے ایک دوست بھی شادی کے نام سے کلہاڑی پر ہتھ رکھتے تھے۔ ایک دن مٹے آئے تو انکے ساتھ کوئی محترمہ بھی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ کون ہیں ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ تمہاری بھانجی ہیں۔ میں نے کہا دوست بھائی یہ کیسے ممکن ہوا تم تو شادی سے بچنے کے لئے گھر سے بھاگ نکلے تھے۔ جواب میں بکھڑے بھائی یہ ہی تو میری حماقت تھی۔ میں اپنے نزدیک شادی سے بھاگا تھا۔ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ شادی کی طرف ہی بھاگ رہا ہوں۔ گھر سے نکلا تو راستے میں ایک سچا جان مل

گئے۔ حال سن کر فرمایا: تو تم یہ ہی چاہتے ہو تاکہ تمہارے والدین کہیں تمہاری شادی نہ کر دیں۔ سو اس سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تم میری بیٹی سے نکاح کر لو اللہ اللہ خیر سلا۔ نہ کنوارے رہو گے نہ شادی کا جھگڑا کھڑا ہوگا۔ میں تو آمادہ ہو گیا وہ تو نکاح کے بعد رخصت ہوتے وقت جب چچا جان نے بھاری گٹھری میرے سر پر رکھی۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ مگر پھر کیا ہو سکتا چنانچہ اب اپنے کئے پر پھٹتا ہوں اور ہر ایک کو نصیحت کرتا ہوں کہ بھیا شادی سے انکار مت کرو۔ کرو گے تو تمہارے آگے آٹے لگا۔

”اپنے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی عادی ہوئے ہوتے رہے۔“ ندیم سنہ سنہ بتایا: ”ایک صاحبزادی تہنا میرے ٹبے میں سفر کر رہی تھیں۔ انہیں گرفتار سے بچانے کے لئے مجھے عارضی طور پر ان کا شوہر بننا پڑا۔ مگر اس بددلی کا انہوں نے یہ دیا کہ جاتے ہوئے میرا سوٹ کیس بھی لے گئیں۔“

اور یہ کہہ کر ندیم نے شریف کو ٹرین کے سفر کی پوری تفصیل بتا دی۔ ”میں ٹانپس کی ناکام تلاش کے بعد باہر آیا تو ٹیکسی غائب سمجھ گیا کہ حرم ہو گئی۔ مگر گھر سے ہوتے دودھ پر پھٹتا نا اپنی عادت نہیں چھوڑا۔ پہلے تو سوٹ کھرنے کے غم میں خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ اس کے بعد آپ کی تلاش یہاں چلا آیا۔“

”گویا ابھی گھر نہیں گئے ہو“ شریف نے پوچھا۔

”نہیں۔ بتایا تو کہ سیدھا اسٹیشن سے چلا آ رہا ہوں۔“

”اور شہناز کو تمہاری آمد کی بالکل اطلاع نہیں ہے۔“

”کیسے ہو سکتی ہے۔“

بس تو پھر سمجھ لو کہ آج میں نے سورہہ کی شرط جیت لی۔“ شریف

بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

”کیا مطلب“

”مطلب یہ کہ تمہاری ہمیشہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں ایک اپ ایک اپ
کچھ نہیں جانتا۔ بس اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرتا ہوں اور یہ کہ اگر میں کبھی اپنے منہ
سے انہیں فریب دے سکوں تو وہ سو دہ پیہ انعام دیں گی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ
میرے سوا جس کسی کو بھی وہ اچھی طرح جانتی ہیں اسے خواہ کسی ایک اپ
میں سامنے لاؤں فوراً پہچان لیں گی۔“

”آپ کے سوا کیوں اس میں کیا مصلحت ہے؟ ندیم نے پوچھا۔
شہناز کا خیال ہے کہ شہرہوں کو کسی ایک اپ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ
اس کے بغیر بھی بیرون کی سمجھ میں نہیں آتے۔
”تو آپ مجھے میری ہی بہن کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ ندیم نے
منہ سے ہنسے۔“

”صرف شرطیں کی حد تک۔“
”مگر میں صرف ایک شرط پر آپ کا آلہ کار بن سکتا ہوں۔“
”وہ کیا؟“

”شرط کے سوا روپے میری ملکیت ہوں گے۔“ ندیم نے جواب دیا۔ شریف
نے ایک گہری سانس لی۔
”مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ میں کس بہن کے بھائی سے معاملہ
کر رہا ہوں؟ وہ بولا۔“

”تو پھر کیا کہتے ہیں؟“
”وہ ہی جو تمہاری بہن سے کہا تھا۔ قبول ہے بھائی۔“
”مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

”سر دست کچھ دیر تک انتظار۔“ شریف نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب
دیا۔ ”پھر جب ایک اپ روم خالی ہو جائے تو متھوڑا سا ایک اپ۔“

”میں آپ کو بہت زحمت دے رہی ہوں“ رخسانہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
 سچ مانئے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ رضیہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے تو میں اسے
 کھڑا وہ ہی نہیں کرتی اور وہ بھی ایسی لا پرواہ ہے کہ ایک مہینے سے کوئی خط
 نہیں لکھا۔ اسٹیشن سے اتر کر اس کے گھر پہنچی تو دروازے میں تالا بڑا ہوا
 آپ کا پتہ معلوم نہ ہوتا تو بڑی پریشانی اٹھا پڑتی۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ شہناز نے جواب دیا۔ ”آخر ہم سب ایک
 کالج میں پڑھ چکی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ رضیہ کے ساتھ تمہارے تعلق
 کچھ زیادہ رہے ہیں اور میں سائنس گروپ میں ہونے کی وجہ سے تم لوگوں کی
 میں زیادہ شریک نہیں ہو سکی۔ مگر رضیہ میری بہنوئی بہیلی ہے۔ تم بلا شک
 جب تک چاہو قیام کر سکتی ہو۔ میرا پتہ بھی شاید اسی نے تمہیں لکھا ہو گا۔“
 ”جی ہاں۔“

”مگر یہ اچانک کیسے آنا ہو گیا۔ میرا خیال ہے تم نے رضیہ کو بھی اس
 پروگرام کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ جاسنے سے پہلے مجھ سے ملنے آئی
 باتوں باتوں میں تمہارا ذکر بھی آیا تھا۔ مگر اس نے مجھے بالکل نہیں بتایا
 تم یہاں آنے والی ہو۔“

”ہاں کچھ ایسے ہی ایک دم سے پروگرام بن گیا۔“ رخسانہ نے جواب
 دیا۔ ”میرا ذکر کس سلسلہ میں آیا تھا؟“

”بس یہ نہیں؟“ شہناز کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ماننے کی
 کمر رہی ہے۔ ”تمہارے والد صاحب کا نام کلیم احمد صاحب ہے نا؟“
 ”جی ہاں۔“ رخسانہ نے کچھ حیرت سے جواب دیا۔

”اور وہ گورنمنٹ کالج پکڑ بھی ہیں۔“

”جی ہاں۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“
 ”بھئی تم نے اب تک غیریت برتی اور کبھی میرے گھر تک نہیں آئی۔“

تو اب جبکہ ہم اسے وہ میان سے سرے سے بنایا قائم ہو رہا ہے ہمیں ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونا ہی چاہیئے پس اسی خیال سے پوچھ لیا تھا "خندان نے مسکرا کر جواب دیا۔ مگر اس مرتبہ پھر اس کا انداز غلط تھا کہ وہ ضرور کوئی بات چھپا رہی ہے۔ رخسانہ کو تجسس تو ہوا مگر اس نے کچھ زیادہ زور دینا مناسب نہیں سمجھا۔

اسی وقت ملازمہ رخسانہ کے دونوں سوٹ کیس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی ٹیکسی سے سامان اترا کر بیرونی کمرے میں رکھ دیا گیا تھا۔ اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ رخسانہ قیام کے ادارے سے آئی ہے۔ خندان اسے یہاں لے کے لئے مخصوص ددکروں میں سے ایک میں لے آئی تھی۔ چنانچہ اب ایک سوٹ کیس کو توجہ سے دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اب جو ملازمہ انہیں ہٹا کر لائی تو وہ ایک سوٹ کیس دیکھ کر چونک سی گئی۔

"کیا بستر بھی سوٹ کیس میں بند کر کے لائی ہو؟" اس نے پوچھا۔
"یہ بات آپ نے غالباً دو سوٹ کیس دیکھ کر پوچھی ہے۔" رخسانہ مسکراتی "مگر ان میں سے ایک سوٹ کیس میرا نہیں ہے۔"
"اچھا؟ تو پھر کس کا ہے؟"

"ایک صاحب میرے ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔" رخسانہ نے بتایا
"آپ تو عانتی ہیں کہ آج کل کے فوجوانوں نے جہاں کسی لڑکی کو اکیلے دیکھا اور اس کی رال پیکی۔ ان حضرات نے بھی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔ ایک حد تک تو میں اخلاقاً ان کی باتیں برداشت کرتی رہی۔ مگر جب وہ حد سے آگے بڑھنے لگے تو مجھے سزا میں یہ سوٹ کیس ضبط کرنا پڑا۔"

"کون صاحب تھے؟"
"تھے کوئی مخدوم صاحب۔" رخسانہ نے بتایا۔
"مخدوم صاحب؟"

”جی ہاں مجھے تو انہوں نے یہ ہی نام بتایا تھا ویسے ہو سکتا ہے۔“

”اور اگر انہوں نے پولیس میں سوٹ کیس کی چوری کی رپورٹ کر دی تو“

”جی، رخسانہ چونک پڑی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا پولیس کی بات پہونچی تو غضب ہو جائے گا۔“ واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی اس نے پریشانی سے کہا ”اب کیا کیا جائے“

”تم نے اسے کھول کر دیکھا“ شہناز نے جواب دیا ”مکن ہے کہ اسے ایسی مل جائے جس سے تہہ سے تہہ صاحب کا پتہ چل سکے اور یہ سوٹ کیس انہیں واپس کیا جاسکے“

”ابھی تک تو نہیں دیکھا ہے۔ اب دیکھ لیتی ہوں“ رخسانہ اٹھنے لگی۔

”رہنے دو، شہناز نے مجھ سے ملے جاتی ہوں، کوئی پتہ وغیرہ نہ دے“

آیا تو خیر ورنہ شریف صاحب کو دسے دوں گی۔ وہ خود ہی کوئی ترکیب سوچ لیں گے۔“

شہناز اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”باتھ روم کمرے کے سامنے ہے تم منہ لائے دو“

کپڑے تبدیل کر لو۔ میں ناشتہ بھیجتی ہوں۔“

”ناشتہ کی کوئی ضرورت نہیں، رضیہ کچھ ڈس میں جو لوگ رہتے“

انہوں نے زبردستی چائے ملا دی تھی۔“

”بس تو پھر آرام کرو“ شہناز نے جواب دیا، اور گھڑی دیکھتے ہوئے

”ابھی گیا رہ بیٹھے ہیں، دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں ایک بجے تک کھایا جاتا“

دو گھنٹے ہیں، ایک نیند تو لے ہی وگی۔“

شہناز کو سوٹ کیس دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا کہ وہ ندیم کا ہے۔ دس

کمرے میں لے جا کر کھولا تو یقین ہو گیا، مگر سوال یہ تھا کہ ندیم بھی دولت

آیا ہے تو دوبار تک گھر کیوں نہیں پہنچا سوٹ کیس تو نہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے چار پانچ دن قبل شہناز کے پاس امی کا خط آیا تھا اور اس میں انہوں نے تفصیل سے لکھا تھا کہ انھوں نے کلیم احمد صاحب کی اگلی بیٹی کے لئے پیام دیا تھا جو منظور کر لیا گیا ہے امید ہے کہ شادی بھی جلد ہی ہو جائے گی۔ تبادلہ طے ہوتے ہی اسے اطلاع دیں گی اور یہ کہ وہ دو چار دن پہلے آنے کی کوشش کیے شہناز نے اپنی سہیلی رضیہ سے ذکر کیا تو اس نے بتایا کہ اگر یہ کلیم احمد صاحب کو رمنٹ کنٹریکٹر میں تو ان کی بیٹی رخسانہ اس کی سہیلی ہے اور یہ شہناز کو بھی اس سے واقف ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی شہناز رخسانہ کو واجبی طور پر جانتی تھی اس نے رضیہ سے اس کے عادات و اطوار کے بارے میں معلوم کیا تو رضیہ نے بتایا کہ ویسے تو سب ٹھیک ہے مگر ذرا مزاج کی تیز ہے۔

شہناز کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آ رہی تھی کہ اگر اگلے ہفتہ ان دونوں کی شادی ہو سنے والی ہے تو پھر یہ یہاں کیسے آئے ہوئے ہیں اور پھر یہ اتفاق بھی کتنا عجیب تھا کہ دونوں نے نہ صرف ایک ہی دن اور ایک ہی ٹرین میں سفر کیا بلکہ ایک ہی کپارٹمنٹ میں دولت آباد ساتھ آئے مگر رخسانہ تو سوٹ کیس والے کا نام غنیمت بتا رہی تھی۔ ممکن ہے یہ غنیمت کی کوئی شہرت ہو۔ گھر کے کام میں مصروف رہنے کے باوجود شہناز کا ذہن ان ہی خیالات میں گھرا ہوا تھا کہ شریف کچھ گھرا یا ہوا سا گھر میں داخل ہوا۔

”ارے بھئی شہناز“ اس نے آتے ہی کہا ”ذرا جلدی سے پانچ چھ ماہوں کا حلوہ آلو کے چیس اور بہترین سی چلے تو بناؤ اور ہاں فریج میں ٹھیک موجود ہو تو دو چار قلعے اس کے بھی تل لینا“

”معلوم ہوتا ہے آج آپ پھر کچھ مفت خورد و سوتلوں کو ساتھ لے آئے ہیں“

شہناز نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”شش شریف نے گھبرا کر ہوشوں پر انگلی رکھی۔ خدا کے لئے آج
 بولو بابا نے سن لیا تو جلالی میں آکر پتہ نہیں کیا بدو عاوسے دیں۔“
 ”بابا“ شہناز نے حیرت سے بول چھا۔

”ہاں بہت بڑے عامل اور پہونچے ہوئے فقیر ہیں۔ شریف نے
 لمحہ میں بتایا ”ہمارے اسٹوڈیو میں آج ایک نئی فلم کی رسم افتتاح میں
 شریف لائے تھے۔“

”فلم کی رسم افتتاح میں شریف لائے تھے تو میں اندازہ لگا سکتی
 کہ کتنے پہونچے ہوئے ہوں گے“ شہناز نے کچھ طنزیہ لہجہ میں جواب دیا۔
 ”بالکل اندازہ نہیں لگا سکتیں“ شریف نے کہا ”تم جو سوچ رہی
 وہ بات نہیں ہے۔ یہ واقعی بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ تم دیکھو گی
 ایمان لے آؤ گی۔ چہرے پر وہ نور ہے کہ نظر جھا کر بات کرنا مشکل ہوتا
 ہے انہیں کمرے میں بٹھاتا ہوں۔ تم ذرا جلدی سے چائے لے آؤ۔“
 شریف الپکا ہوا باہر گیا۔ اور پھر جو واپس لوٹا ہے تو شہناز دیکھو
 ہی رہ گئی۔ سر سے پاؤں تک سفید براق کپڑوں میں لبوس ایک بزرگ جو
 داڑھی مچھلیں بھریں بلکیں تک سفید تھیں ایک ہاتھ میں لمبی سیج لٹکاتے
 دوسرے ہاتھ میں بید کے موٹے سے عصا کا سہارا لئے شریف کے ساتھ
 داخل ہوئے ہر چند کوئی اگر جی دغیرہ نہیں سلگ رہی تھی مگر ان کے
 اندر آتے ہی شہناز نے محسوس کیا جیسے سارا گھر ایک دم بہترین قسم کی اگر تہی
 خوشبو سے جھپک اٹھا ہو سفید بالوں کے باوجود بابا کا چہرہ صریح بوجھل تھا۔
 پتہ نہیں یہ چمک ان کے چہرے کی تھی یا کسی اور چیز کی کہ غور سے دیکھنے کی
 سے شہناز کی آنکھیں خود بخود جھپک گئیں۔ شریف تو جیسے ان کے سامنے
 جلا ہوا تھا۔

”اس طرف آئیے بابا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے بولے

بابا ایک مٹان بے نیازی سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے
 اور سامنے ہی میز پر ایک سوٹ کیس دیکھ کر چونک پڑے۔
 ”یا حق“ انہوں نے غرہ لگایا ”تیری قدرت کے کھیل نیا سے ہیں۔
 یہاں کے مسافر تو نے کہاں اتارے ہیں۔ یا حق“
 ”زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرنا سارے صاحب“ شریف نے
 بابا کے کان میں سرگوشی کی ”وہ شہناز فوراً سمجھ جائے گی۔“
 ”یا حق“ بابا نے پھر غرہ لگایا تبے فکر رہو بیٹا یہ دنیا بھل بھلیوں کا جہل
 ہے یہاں سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو پہچانتا محال ہے؟
 بابا نے اپنے کندھے پر بڑی ہوتی چادر فرش پر بچھائی اور اس پر بیٹھ
 آنکھیں بند کر لیں۔ گویا عالم استغراق میں چلے گئے شریف بڑے ادباً کمزیرانہ
 سان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد شہناز چلائی گئی
 سے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو بابا نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔
 ”یہ میری شریک حیات شہناز ہیں بابا“ شریف نے گویا تعارف کرایا۔
 شہناز سے کہا ”بابا کو کو سلام کرو۔“
 ”سلام بابا شہناز نے چاٹے کی ٹرسے رکھتے ہوئے کہا۔
 ”جیتی رہو بیٹی آباد و شاد رہو۔“
 ”ہماری شادی کو سال بھر سے زیادہ ہو گیا ہے بابا“ شریف جیسے
 ہی افسردگی سے بولا۔
 ”اور لگے برس دو سال سے زیادہ ہو جائیں گے“ بابا نے فلسفیانہ لہجہ
 کہا ”برسوں کا شمار نہ کیا کرو بیٹا یہ تو گزرتے ہی جاتے ہیں۔“
 ”میرا مطلب ہے بابا کہ ابھی تک ہمارا گھر مٹان ہے دعا کیجئے کہ ان
 کو ہری ہو جائے“ شریف نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ شہناز شرمانگئی۔
 ”ستغفر اللہ“ بابا نے ایک جھرجھری سولی انسان بھی فقروں سے

کیسی کیسی ادنیٰ خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے
 ”کیا ہا بابا“ شریف نے گھبرا کر پوچھا ”کیا مجھ سے کوئی بھول ہو گئی؟“
 ”بھول“ بابا نے سخت ہنسنے میں جواب دیا ”ارے نادان تو خود بازار
 درویشیہ کا ڈسٹمپر لاکر اپنی بیوی کی گود ہری کیوں نہیں کر لیتا۔ ہم نے دعا مانگا
 اور اس کی گود مستقل طور پر ہری ہو گئی تو کل جب کسی اور رنگ کی گود کا فیشر
 چلا تو پھر تو کیا کرے گا۔“

شہناز نے چونک کر بابا کی طرف دیکھا۔
 ”حق ہے بابا حق ہے۔ یہ بچتے کی باتیں عام لوگ کہاں سمجھ سکتے
 مگر میں آپ کا اشارہ پا گیا ہوں بابا۔ ایسا ہی کروں گا۔“
 شریف نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی۔
 ”مگر تیری بیوی تیری طرح سمجھ دار نہیں ہے۔ بیٹا“ بابا نے دنگ
 پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”اس کے دل میں فقیر کی طرف سے بدگمانی
 پر چھائیاں رنگنے لگی ہیں۔ مگر ہم اس کے من کی بات بھی جانتے ہیں
 ”تو پھر بتائیے بابا کہ میرے دل میں کیا ہے“ شہناز بولی۔
 ”بیٹی تو فقیر کی آزمائش کر رہی ہے۔ بابا نے سر ہلایا ”اچھا تو سن
 تیرے ٹھہریں کسی مسافر کے قدموں کی آواز سن رہے ہیں؟“
 ”شہناز نے حیرت سے بابا کو دیکھا۔ ”تو وہ مسافر آچکا ہے یا آئے گا؟“
 ”کچھ آچکا ہے اور کچھ آئے گا“ بابا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے
 جواب دیا۔

”اچھا بابا یہ بتائیے کہ وہ کوئی عزیز ہے یا دوست؟“ شریف نے سوال
 ”وہ اپنا بھی ہے اور پرانا بھی“ بابا نے جواب دیا۔

”ایک ہی شخص اپنا اور پرانا کیسے ہو سکتا ہے؟“ شہناز نے پوچھا
 ”ایک ہی شخص“ بابا نے جواب دیا ”جس کی ہڈی ہڈی میں آگئی“

سے ایک وہ ہے جس کے نام کے ساتھ تو اور تیرے گھروالے بہادریوں کا کھلا اور
 چھوٹیوں کی خوشبو کا تصور کر رہے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ابھی بہادری کا موسم نہیں
 آیا کیوں کے پھول بننے میں بہت دیر ہے؟ بابا ایک دم کھڑے ہو گئے۔
 کہاں چل دیے بابا؟ شریف بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ پھل نہیں پتے گئے؟
 "بیٹا تو سنے چلے فقیر کے لئے نہیں بڑائی تھی۔ بہادی خاطر تواضع کی
 آڑ میں خوراکوں کا علوہ کھانا چاہتا تھا؟ بابا نے شان بے تیاری سے کہا "جا
 کھا لے۔ فقیر اس گھر میں مانس گند سونگے رہا ہے؟

بابا تیزی کے ساتھ کمر سے نکل گئے۔ شہناز اور شریف نے ایک دوسرے کی
 طرف حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بابا کے پیچھے لپکے۔ بابا ایک ایک کمرہ
 جھانکتے پھر رہے تھے۔

رخسانہ نے کمرے میں لیٹی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ بابا
 درلے ہوئے اندر گھس گئے۔

"ہاں۔ یہ ہے وہ آسیب جس کا سایہ ہمیں ابھی اس گھر کے در و دیوار سے
 جھانکتا نظر آ رہا تھا؟ بابا نے جوش کے ساتھ کہا۔ رخسانہ چونک کر جلدی سے
 اٹھ بیٹھی۔ وہ بڑی حیرت سے بابا کو دیکھ رہی تھی۔ کمرے کے دروازے پر شہناز
 اور شریف کھڑے ہوئے تھے۔

"لاڑکی ہم تیرے سر پر تمام منویں تاجوں کو ٹوٹاٹ کر لے کر رکھ رہے
 ہیں۔ بابا نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "تو نے اس شریف نوجوان کو دھوکا دیا مگر
 وہ نوجوان کے بھیس میں خدا کا فرشتہ تھا جو تیری مدد کے لئے ساتھ کر دیا گیا
 تھا۔ تو نے کفرانِ نعمت کیا ہے تیرا غرور تیری اتانیت ہمیں سخت ناپسند
 ہے تجھے بہت جلد اپنے کئے کی سزا ملنے والی ہے۔ ایسی سزا جسے تو تمام زندگی بھر
 فراہم نہیں کر سکتی۔"

شہناز جواب تک بابا سے کافی متاثر ہو چکی تھی۔ جلدی سے آگے بڑھی۔

”یہ میری سہیلی ہے بابا، اس نے کہا، کوئی ترکیب ایسی نہیں ہو سکتی کہ اگر یہ بھول کر غلطی کرے میتھی ہے تو اس کا کفار ادا ہو جائے۔“

”اس کا کفار یہ ہی ہے کہ یہ اپنے سوز کو انکساری سے اور انانیت کو فرمانبرداری سے تبدیل کر لے۔ اس نے جو ان کو تلاش کر سے اور اس سے اپنے تندرادر عمل کی معافی مانگے، بابا نے جواب دیا پھر ایک دو مہینہ شہناز کی طرف پٹ کر کہا، ”بیٹی اب فقیر کو اپنے کمرے میں لے چل۔ فقیر کے جانے اور کسی کے آنے کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ چل جلدی کر۔“

”آئیے بابا، شہناز نے اپنے کمرے کی طرف چلتے ہوئے کہا، بابا نے ایک قہر آلود نظر عساز پر ڈالی اور کمرے سے باہر چلے گئے۔ شہناز کے کمرے میں پہنچ کر بابا برے اطمینان سے اس کے بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

”تیرا شوہر بڑا فداکار ہے بیٹی، بابا نے شریفین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، مگر ہم نے مسئلہ ہے کہ تو اس کے فن کا اعتراف نہیں کرتی۔“ میں کچھ سمجھی نہیں بابا، شہناز نے تعجب سے کہا، ”ابھی سمجھ جائے گی۔ ذرا اس الماری سے اپنا کیش بکس کھول کر سرکایک پتہ نکال لا۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا بابا کہ میرا کیش بکس اس الماری میں رکھا ہے شہناز نے حیرت سے پوچھا۔

”فقیروں سے کوئی بھید چھپا نہیں ہوتا۔ لا جلدی کر میں دیر ہو رہی ہے۔“ شہناز نے الماری کھول کر بکس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بابا کے دے دیا۔ بابا نے نوٹ لے کر حجب میں رکھا اور شریفین کی طرف دیکھ کر کہا، ”بچہ تو اپنی شرط جیت گیا ہے۔ اب فقیر کو جانے کی اجازت دے۔“ اس گرمی کے موسم میں سوٹ کے اوپر چائین گز کا کھٹان لپیٹ کر ہم پسینہ

میں شرابور ہو چکے ہیں۔ دارا بھی کہے بلایا گیا۔ نکلش کی سوئیں کے مانند جلد میں
ٹھکے جا رہے ہیں۔

”اگر آپ کو گرمی لگ رہی ہے تو کپڑے اتار دیں“ شریف نے کہا۔
”اوسے مورکھ کپڑے تو ہم اتار لیں گے مگر پہلے پہلوی دارا بھی تو اتار۔“
شریف نے ایک قہقہہ لڑا۔ شہناز نے چونک کر پہلے شریف کی
طرف اور پھر بابا کی جانب دیکھا۔

”کیسے بیگم صاحبہ اب کیا خیال ہے“ شریف جھک کر سلام کرتے ہوئے
برہ اور آگے بڑھ کر بابا کا کان پکڑ کر کہنے لگا۔ ایک جھلی سی چہرے سے تری
چلی آئی۔ بھجویں اور دارا بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔
”ندیم“ شہناز کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”تو یہ مجھے یوں تو فدا کیا جا رہا تھا؟“
”ہم بھلا فدا کے کاموں میں کیسے دخل دے سکتے ہیں؟“ شریف نے
جواب دیا۔ ”ہم تو محض تصدیق کر رہے تھے۔“

”یہ کوئی کمال نہیں ہے کہ کسی کو بے خبری میں قریب دیا جائے؟“
”خواہ کچھ بھی کہو شرط تو تم ہار چکی ہو۔“
”جی نہیں یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔ سو رہو یہ آپ کو دلچسپ کرنا پڑیں گے۔“
”سو رہو میرے پاس نہیں تمہارے بھتیجا کے پاس ہیں؟“
”ندیم کی کان گونشی تو زرا دھوم دھام سے کہوں گی۔ خواہ مخواہ اس بیچاری
رخسانہ کو بھی ڈرا دیا۔“

”ندیم نہیں غلام“ ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اسے یہ نہ بتائیے گا کہ میرا نام
ندیم ہے۔ مگر واقعی یہ تو کچھ عجیب اتفاق ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ سوٹ کیس پر
نوٹا تو ہی پڑھنا پڑے گی۔ یہاں آکر دیکھا تو شریف بھائی کے کمرے میں رکھا ہوا
ہے۔ مگر رخسانہ یہاں آئی کیسے؟“

”میرے ساتھ کلچ میں پڑھ چکی ہے“ شہناز نے بتایا۔

”مجھ سے تو بس یوں نہیں رسمی سلام ڈی سکتی۔ مگر غصہ کی بہت گہری سہلی
اس کے پاس آئی تھی۔ مگر غصہ اپنے والدین کے ساتھ گرمیاں گزارنے پر
نئی ہے چنانچہ یہ یہاں چلی آئی۔ تمہاری بہت شکایت کر رہی تھی۔
”جی ہاں اب تو وہ جو چاہیں کہہ سکتی ہیں۔ ندیم نے منہ بنا کر جواب دیا
میں نہ جانتا تو آپ کی سہلی اس وقت کسی کو بے پرویشی ہوئی تھمیری نگاہیں
”مگر سوال یہ ہے کہ تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔ اگلے ہفتہ تو تمہاری
ہونے والی ہے۔“

”سہ نہیں تھی؟ شریف بولا۔ یہ حضرت شادی سے بھاگ کر آئے ہیں
”کیوں کیا لڑکی پسند نہیں تھی؟“

”اس بیوقوف مخلوق پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے شہناز میں ندیم نے
بجیدگی سے جواب دیا۔ ”آپ عالیہ کو تو جانتی ہوں گی۔ میں اسے پسند کرتا تھا۔
نے بھی وعدہ کیا تھا کہ میرے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ مگر جب میں
سے دو ٹوک فیصلہ کر کے ہر گھنٹہ تو دیکھا کہ وہ کسی اور منزل کی طرف چل پڑی
”مجھے معلوم تھا کہ عالیہ جیسی لڑکیاں ہر سنے دن کے ساتھ اپنی پسند
لی عادی ہوتی ہیں۔ کچھ کہتی ہوں ندیم اگر کہیں اس سے تمہاری شادی ہو جائے
تمام زندگی بچھڑانے لگے۔ میں کالج میں اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکی ہوں
کئی لڑکوں سے اس کی دوستی تھی۔ مگر چالاک اتنی تھی کہ ایک کو دوسرے
نہیں پہچانتے دیتی تھی۔ اگر تم ہر لڑکی کو عالیہ پر قیاس کر دے گے تو سخت غلطی کر
”مگر ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔ مگر عالیہ کے تجربے کے بعد میں
میں اس مسئلہ پر غور کرنا نہیں چاہتا۔“

”رخصتہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ شہناز نے مسکرا کر پوچھا۔
”اسے وہ مغرور ننگ چڑھی لڑکی لڑکے کے میراٹک میں دم کرے
ندیم نے جھرا کر جواب دیا۔

”میں یہ ہی سوچ کر حیران ہوں کہ اس کے والدین نے تنہا اتنی دور سفر کی اجازت کیسے دے دی؟ شریف سوچتے ہوئے بولا ”کیوں وہ کبھی کسی بات پر گھر چھوڑ کر تو نہیں چلی آئی ہے؟“

”چھوڑیئے بھی شریف بھائی ہم کیوں کسی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوں؟ ندیم نے جیسے بڑی بریت سے کہا ”یہ لوں وہ گھر سے بھاگی ہوئی ضرور ہے۔ اس نے شہناز کی طرف دیکھا۔ ایک دو دن کے بعد چلتا کیچھے گا۔ اسے در نہ بلا دے۔ ہم لوگ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔“

”بھئی وہ میری بہیلی ہے۔ میں اپنے منہ سے تو جانے کے لئے نہیں کہوں گی۔ شہناز نے جواب دیا ”اپنے آپ چلی جائے تو دوسری بات ہے۔“

”تو پھر کھانے کا خرچہ اور کمرے کا کرایہ لے لگا۔ اس سے ہمدے شریف بھائی کا پیسہ سخت کا نہیں ہے جو ایروں غیروں کو کھلا دیا جائے کیوں شریف بھائی؟“ ندیم نے شریف کو اکسانے کی کوشش کی۔

”بھئی یہ شہناز جانیں ہمیں دو وقت کی روٹی ملنی رہے۔ پھر ہماری بلاتے کر یکٹھر میں خیرات خانہ کھول لیں یا کچھ اور؟“

”اور یہ آپ نے دھنا نہ کو ٹھہرایا کہاں ہے؟“ ندیم نے شہناز سے کہا ”آپ جانتی ہیں کہ میں جب تارہاں اس برابر واسے کمرے میں قیام کرتا ہوں؟“

”بڑی مصیبت ہے ندیم نے جواب دیا اچھا تو پھر کمرہ کھلا دیکھئے میں خدا نہاد صحر کر آدمیت کے جامے میں آتا چاہتا ہوں۔ شریف بھائی نے پتہ

نہیں چہرہ پر کیا الا بلا لگا دی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سچ بچ خدا رسیدہ ہونے ہوئے ہاتھ بال بال بچا ہوں۔“

”تم چل کر اپنا سوٹ کیس اٹھاؤ“ شہناز نے کہا میں بھی آرہی ہوں۔“ ندیم کمرے سے چلا گیا تو شہناز نے جھک کر سرگوشی میں شریف سے کہا ”میرا تو خیال ہے جیسے یہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنے سے پہلے

کے لئے ہی گھر سے بھاگے تھے۔ مگر تقدیر انہیں مٹانے پر تلی ہوئی ہے۔
 ”کیا مطلب؟“ شریف نے چونک کر پوچھا۔
 ”میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا کہ آبا جان ندیم کی شادی کلیم
 کی لڑکی سے کر رہے ہیں۔“

”تو پھر؟“

”تو پھر یہ کہ رخصتہ ان ہی کی لڑکی ہے۔“ رخصتہ نے جواب دیا۔
 ”بہر حال اگر زور سے بولی میں وہ سو روپیہ ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔“
 کوئی بات ہے؟

”کیا؟“ شریف نے آنکھیں نکالیں۔ شہناز دوانے کی طرف دیکھ رہی
 شریف نے بڑبڑ کر نگاہ ڈالی تو ندیم کھڑا تھا۔
 ”ہاں، ہاں بھٹی لے لینا“ مہرے گجراہٹ کے شریف کے
 سے نکل گیا۔

”گواہ رہنا ندیم انہوں نے تمہارے سامنے وعدہ کیا ہے؟“
 شریف سے بولی۔

”اور شریف کو بعد از وقت ہوش آیا کہ دونوں میں بھائی نے مل کر
 اس سے سو روپے ٹھگ لئے ہیں۔“

کھانے کی میز پر ندیم اور شریف کچھ باتیں کر رہے تھے شہناز رخسانہ کو ساتھ لے اندر داخل ہوئی۔

ندیم کو پہچانتے ہی رخسانہ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اس نے گھبرا کر شہناز کی طرف دیکھا۔

”یہ کون صاحب ہیں؟“ اس نے چپکے سے پوچھا۔

”میرے بھائی ندیم ہیں“ شہناز نے جواب دیا۔

”ندیم“

”ہاں میرا خیال تھا کہ تم پر وہ نہیں کرتیں اس لئے انہیں کھانے کی

میز پر بلا لیا ہے۔“

”یہ ہیں آپ کے پاس رہتے ہیں؟“ رخسانہ نے کچھ اور غور سے ندیم کی طرف دیکھا۔

”نہیں آج ہی آئے ہیں“ شہناز نے جواب دیا اور پھر بٹتے ہوئے پوچھا ”تم انہیں جانتی ہو؟“

”یہ دونوں ہسپتالوں میں کیا کھسکے ہو رہے ہیں؟“ شریف نے پوچھا۔

ندیم نے گویا چونک کر رخسانہ کی طرف دیکھا۔

”ادوہ آپ؟“ وہ کھڑا ہو گیا۔ ”میں نے کہا محترمہ وہ میرا سوٹ کیس

کہاں ہے؟“

”سوٹ کیس؟“ شریف نے حیرت ظاہر کی۔

”جی ہاں میں نے آپ کو بتایا تھا تاکہ ایک چڑیل میرا سوٹ کیسے
چرا کر لے گئی ہے؟“

”کیا بد تمیزی ہے ندیم، شہناز نے ڈانٹا ”یہ میری سہیلی رخسانہ
اور اگر تم وہ ہی نو جوان ہو جس کا ذکر رخسانہ نے کیا تھا تو تمہاری سزا اس
زیادہ ہونا چاہیئے تھی؟“

شہناز اور رخسانہ بھی کرسیوں پر آکر بیٹھ گئیں۔ رخسانہ کی نگاہیں
ہوئی تھیں۔

”کیا جرم کیا تھا میں نے۔ ذرا پوچھئے تو اپنی سہیلی سے ”ندیم نے تیری
”افو بھئی یہ کھانے کی میز پر جھگڑا کر نا بچھے سخت ناپسندیدہ شے

نے قورسے کا ڈونگا کھولنے ہوئے کہا ”تمہیں سوٹ کیس میں چاہیئے نا وہل
خواہ خواہ بور کیا اس وقت آپ نے ”ندیم بھی چیمے سے اپنی پلیٹ

میں سالن نکالتے ہوئے بولا ”گھنٹہ بھر سے کھانا میز پر رکھا ٹھنڈا ہو رہا ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان محترمہ کا انتظار کیا جا رہا ہے تو میں اب تک کھا

اٹھ چکا ہوتا؟“

”تم کھانا کھاؤ رخسانہ“ شہناز نے بڑے پیار سے کہا ”اس
شریعہ کی باتوں کا خیال مت کرنا۔ یہ یو نہیں بکتا رہتا ہے؟“

”بہر حال میں مخدوم صاحب سے معذرت خواہ ہوں“ رخسانہ

آہستہ آہستہ میں بولی ”میری دبڑ سے انہیں کافی پریشانی ہوئی؟“

”مخدوم صاحب“ شہناز نے پکیں جھپکا گئیں۔

”جی ہاں مجھے ندیم صاحب نے اپنا یہ ہی نام بتایا تھا؟“

”پھر تو مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہیں واقعی پریشان کیا ہوگا شہناز
نے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں شہناز بہن وہ تو بس یو نہیں منہ سے نکل گیا تھا“ ندیم

نے کڑ بڑا کر جواب دیا۔

شریف نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔

”کیا میں نے کوئی بہت مضحکہ خیز بات کہہ دی تھی؟“ ندیم نے

چونک کر پوچھا۔

”انہیں قہقہہ لگانے کے لئے کسی بات کی ضرورت نہیں ہوتی شہناز

نے نوالہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔ میں منہ کے اعصاب کچھ دیر کے لئے

کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ اچھے خاصے چائے پیتے پیتے

گلا پھاڑنے لگے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے آج کل اسٹوڈنٹوں میں اتنا

لاہ ہے اتنا کام ہے کہ کسی دن سے کسی بات پر ہنسنے کی بھی فرصت نہیں

لی۔ اس وقت خالی میٹھا تھا۔ میں نے سوچا لاڈلوں چار قہقہے ہنسی لگائے جائیں

یا اسی طرح ایک مرتبہ نہ جانے کیا بات ہو رہی تھی کہ جناب نے ٹھٹھے مارنا

شروع کر دیئے جب اچھی طرح ہنس چکے تو خود ہی بتایا کہ کئی دن سے ایسا

موس ہو رہا تھا جیسے میں قہقہہ لگانا بھول گیا ہوں۔ لوگ بڑے بڑے قہقہہ

آد لطفی سناتے ہیں اور مزق نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہیں۔ مجھے

شرمندگی ہوتی ہے کہ بچہ سارے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ چنانچہ ذراں وقت

پر یکیش کر رہا تھا۔

”لاحول ولا قوۃ“ شریف کچھ جھینپ سا گیا۔ سنو اتین سے زیادہ غیسر

صحت مند راوی پر سنا کوئی نہیں دیکھا۔

”آپ کم سے کم شہناز کو غیر صحت مند نہیں کہہ سکتے“ ندیم نے جواب

دیا۔ ”یوں جہاں تک روایت کا تعلق ہے مجھے آپ سے کوئی قصدی اتفاق ہے۔“

”لیکن آپ ہنسے کس بات پر تھے؟“ رخسانہ نے پوچھا۔

”شکر ہے بہن کہ تم نے پوچھ لیا ورنہ یہ کھانا کھانے کے بعد میری جان

کھا جائے کہ اب اس گھر میں کوئی ہماری بات پوچھنے کا روادار نہیں ہے۔ خواہ

بنسین یا روٹیں " شبنم زوئی اور پھر شریف کی طرف دیکھ کر کہا ہاں صاحب آپ کس بات پر کہتے ہیں؟

" ابھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ تو بس یوں نہیں منہ سے نکل گیا تھا تو اس لمحے ایک واقعہ یاد آ گیا " شریف نے کہنا شروع کیا جیسے ایک دوست ہیں شادی کے بعد وہ جب بھی ملے کسی نہ کسی مصیبت کا دھڑا روتے رہتے آج بڑا لڑکا کھیلنے کھیلنے گریڑا تو اس سے جھوٹے کی نکسیر پھوٹ گئی ایک لڑکا کو بخار آ رہا ہے دوسری کو کھانسی اور دوا بیرونی پی رہی ہیں، اٹا اتنا ہنگامہ کیا ہے کہ جیب ہلکی ہو جاتی ہے اور کندھے پر وزن کا احساس تک نہیں لگتی مٹی کا تیل والیں سب کی قمیضیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، عوامی جلا وطنی حکومت ڈانٹتی ہے مگر نہ ان کی باتیں ختم ہوتی ہیں اور نہ وہ زمین پر آنے کے لئے تیار ہوتی ہیں، ادھر تنخواہ آنی کی اتنی ہے، اکیلا تھا تو گذر جاتی تھی مگر جیب سے شادی کی ہے، جلن مصیبت میں آگئی ہے بیوی کی منت تھی فریالیں ہوں کی تعداد اور قرض کا بوجھ ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، ان کی باتیں سننے سننے ہم لوگ تنگ آ چکے تھے، آخر جب وہ ایک دن حسب معمول اپنی تنخواہ چیکے نو میں سنبھل چھا شادی سے پہلے نہیں معلوم تھا کہ تہہ لادی تنخواہ کتنی ہے بوسے ہاں معلوم تھا اور گرائی کا حال بھی جانتے تھے میں نے پوچھا جواب دیا ہاں اگرچہ اتنی نہیں تھی مگر گرائی تھی ضرور، اور تمہیں یہ اطلاع بھی بہر حال ہو کہ شادی کے بعد بیوی آتی ہے تپکے بھی آتے ہیں اور وہ باری باری بیمار بھی ہوتے ہیں، کہنے لگے ہاں ہاں بھئی یہ سب باتیں معلوم تھیں مگر تمہارا مطلب کیا ہے میں نے جواب دیا بھلے آدمی جب کہیں ان سب باتوں کا پتہ تھا تو تمہارے نکاح کے وقت بیوی کو قبول کیوں کیا تھا، ایک ٹھنڈی سانس بھر کے بوسے بیٹا وہ تو بس یوں نہیں منہ سے نکل گیا تھا

ابھی لوگ ہنس ہی رہے تھے کہ لازمہ کھانے کے کمرے میں داخل ہوا

”صاحب آپ کا فون آیا ہے“ اس نے شریف سے کہا۔
 ”فون آیا ہے؟“ ندیم نے حیرت سے دہرایا ”مگر وہ کیا کہاں تھا؟ ابھی پندرہ منٹ پہلے تو میں نے اسے ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا دیکھا تھا؟“
 ”جی ہاں“ ملازمہ نے جواب دیا ”فون تو رکھا ہوا ہے مگر فون آیا ہے؟“
 ”یہ کیا بات ہوئی فون رکھا ہوا ابھی ہے اور فون آیا بھی ہے؟“
 ”سرکار وہ باتیں کرنے والا فون رکھا ہوا ہے اور باتیں سننے والا فون آیا ہے“
 ملازمہ نے اپنی طرف سے سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔
 ”ندیم کیوں بے کار سے پریشان کر رہے ہو؟“ خٹنا نے ڈانٹ اور ملازمہ سے بولی ”تم جاؤ صاحب ابھی بستے ہیں؟“
 ”پتہ نہیں لوگ کھانے کے وقت ہی فون کیوں کرتے ہیں؟“ شریف نے اٹھتے ہوئے ناگوار سی سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔
 ”تم اس سے پہلے بھی کبھی دولت آباد آتی تھیں؟“ خٹنا نے نہ خفا سے پوچھا۔
 ”جی نہیں۔ یہ پہلا ہی اتفاق ہے“ مرخصانہ نے جواب دیا۔
 ”پھر تو قسمیں یہاں کے تقریبی مقاومت میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا ہوگا؟“ خٹنا نے ندیم کی طرف دیکھا ”ذرا خسانہ کر یہاں گھما پھرا دو گے؟“
 ”معاف کیجئے“ میرے پاس بے کار باتوں کے لئے وقت نہیں ہے“ ندیم نے جواب دیا۔ ”اس کے علاوہ جو محترمہ ذرا اب گنج سے یہاں تک تنہا آ سکتی ہیں وہ اکیلے تفریح کرنے بھی جاسکتی ہیں۔“
 ”آپ بیکار معافی مانگ رہے ہیں؟“ مرخصانہ نے تجلیجے میں کہا ”اہل تو میں یہاں سیر و تفریح کے لئے کوئی بھی نہیں ہوں۔ اور کبھی ارادہ ہوا ابھی تو آپ جیسے بورڈ آدمی کے ساتھ وقت خواب کرنے سے دیکھ ہی جانا بہتر ہے۔“
 اس نے خٹنا کی طرف دیکھا۔ ”میرا ارادہ یہاں کوئی سروس تلاش کرنا ہے۔“
 ”صرف تلاش کرنے کا؟“ ندیم نے آہستہ سے کہا۔

”سردس ملتے ہی میں اپنے بہنے کا انتظام بھی کروں گی“ رخسانہ نے اپنے بات پوری کرتے ہوئے کہا ”میں نہیں چاہتی کہ آپ میری وجہ سے بار بار پریشان ہوں۔“

”گو یا پریشانی کی کوئی وجہ ہو تو ضرور پریشان ہوں“ ندیم نے پھر دخل دیا۔
”تم خاموش نہیں رہو گے“ شہناز نے سخت لہجہ میں کہا اور رخسانہ کی طرف دیکھ کر بولی ”مگر تمہیں یہ خیال کیوں ہوا کہ میں تمہاری وجہ سے پریشان ہوں۔ سردس کرنا چاہتی ہو شوق سے کرو۔ میں شریف صاحب سے کہوں گی کوئی مناسب جگہ ان کی نظر میں ہوئی تو کوشش بھی کر دیں گے۔ مگر سردس کر کے بھی تم یہاں رہ سکتی ہو کم سے کم اس وقت تک میں تمہیں کہیں نہیں چلا دوں گی جب تک رضیہ نہ آجائے۔“

ابھی رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ شریف والیں آگئیں اس کے چہرے سے تشویش اور فکر مندی کے تاثرات ظاہر تھے۔
”کیا بات ہے۔ کس کا فون تھا؟“ شہناز نے جلدی سے پوچھا۔
شریف کوئی جواب دے بیٹھے بغیر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ شہناز کے ساتھ ہی ندیم اور رخسانہ بھی متوقع ٹکا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔
”کس کا فون تھا؟“

”ڈی۔ ایس پی صغیر صاحب کا“ آخر شریف نے جواب دیا۔
”ڈی ایس پی“ رخسانہ نے سانس روک لی۔
”یا اللہ آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے؟“ شہناز نے پوچھا۔

”نہی۔“
”انہوں نے کل صبح اپنے دفتر میں ندیم اور رخسانہ کو بلایا ہے۔“

”مجھے ندیم بڑے زور سے چومکا۔“
”مگر کیوں؟“ شہناز بھی حیران تھی۔

نواب گنج سے کسی امیر گھرانے کی لڑکی اپنے قیمتی زیورات اور دس ہزار روپیہ نقد لے کر چلی گئی ہے بشریف نے بتایا یہاں روکتا بادسٹی اسٹیشن پر ڈی ایس پی صاحب کے کہنے کے مطابق رخسانہ اور ندیم نے پولیس کے سامنے خود کو میاں بیوی ظاہر کیا تھا۔

”مار سے گئے ندیم صاحب اور کرومٹف نانکا سے ہمدردی“ ندیم بڑبڑایا۔
 ”ایک ٹکٹ چیکر اور ایک انسپکٹر کو رخسانہ پر کچھ شبہ براتھا مگر جب ان لوگوں نے اپنے آپ کو شوہر اور بیوی بتایا تو وہ انہیں نہیں روک سکے۔ اب ڈی ایس پی صاحب چاہتے ہیں کہ انہیں خود دفتر میں بلا کر بات کریں۔“
 ”نہ انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دونوں یہاں ہیں“ شبنا نے پوچھا۔
 ”جو میکسی ڈرائیور رخسانہ کو یہاں چھوڑ گیا تھا پولیس نے اسے تلاش کر کے اس کا بیان لیا تو اس نے بتا دیا کہ بیگم صاحبہ نے صاحب کو اسٹیشن پر چھوڑ دیا تھا اور خود یہاں اتر گئیں۔“

”تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے“ شبنا نے ہنسنے لگی۔ ”یہ دونوں اگر راستہ میں میاں بیوی بن سکتے ہیں تو وہاں ڈی ایس پی کے سامنے جا کر بھی یہ ہی ڈرامہ کھیل سکتے ہیں۔“

”جی نہیں“ ندیم کھٹ سے بولا ”مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ میں اب اس مذاق کو مزید آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شہین میں محض اس خیال سے عالمی بھری تھی کہ رخسانہ صاحبہ کو سفر میں عواء عواء کی پریشانی نہ ہو مگر اس ہمدردی کا صلہ ملتا تو کچا مڑا یہ ملی کما ایک بھوٹا بہانہ بنا کر کبھی دیں اسٹیشن پر نہ پتا چھوڑ دیا گیا اور خود میرا سوٹ کیس لے کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔“

”مگر اب اس سے بھی کام نہیں چل سکتا“ شریف کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔
 ڈی ایس پی صاحب نے ہدایت کی ہے کہ یہ دونوں اپنی شادی کا دستاویزی ثبوت بھی لے کر آئیں۔“

”دستاویزی ثبوت مگر...“
 ”ڈی ایس پی صاحب کہہ رہے تھے“ شریف نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”کہ میں نے محض آپ کی خاطر گھر بدر پولیس نہیں بھیجا اور یہ کل تک کی مہلت بھی اپنی ذمہ داری پر دے رہا ہوں۔ چنانچہ اب اگر کوئی بات ہوتی ہے تو میری پوزیشن خراب ہوگی۔“

”جانب آپ کی پوزیشن خراب ہو یا اچھی مگر میں قربانی کا بکر بننے کے لئے تیار نہیں ہوں“ ندیم نے تیزی سے کہا ”اس کے علاوہ آپ لوگوں نے یہ کیوں فرض کر لیا ہے کہ رخسانہ صاحبہ پر سچ بچ گھر سے بھاگ کر آئی ہیں۔ عکس ہے وہ کوئی دوسری لڑکی ہو یا واپسی صورت میں آپ اور یہ بڑی آسانی سے جا کر اپنی پوزیشن کی وضاحت کر سکتے ہیں کہا جاسکتا ہے کہ سفر میں پریشانی سے بچنے کے لئے ایک مذاق کیلگیا تھا۔“

”مگر میں ایسا نہیں کر سکتی“ رخسانہ گہرا کر بولی۔
 ”کیوں کیا آپ واقعی زیورات اور نقد روپیہ لے کر بھاگی ہیں“ ندیم نے پوچھا۔

”نہیں... مگر...“
 ”مگر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے؟“
 ”تم سمجھتے نہیں“ شریف نے رخسانہ کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے کہا ”اب مگر پولیس کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم سیال بیوی نہیں تھکتے تو خواہ رخسانہ وہ لڑکی ہوں یا نہ ہوں پولیس تم دونوں کو بھی خبیثہ کی نظر سے دیکھے گی اور اگر اس بات کی اطلاع رخسانہ کے والدین تک پہنچے گی یا پولیس نے اپنی تحقیقات کا دائرہ وہاں تک پھیلا دیا تو ان کے لئے اتھارٹی ذلت آمیز بات ہوگی۔“

رخسانہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔ شہناز اپنی جگہ پر بیٹھ کر بہو نیچی اور بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم پریشان مت ہو ہم اس لئے پہننے کی کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لیں گے۔ وہ بولی اور شریف کی طرف دیکھ کر کہا ”پھر اب آپ کا مشورہ کیا ہے؟“
”میں سمجھتا ہوں کہ اس عہد میں ہمارے لئے جو وجہ کی پریشانی ذات اور اخباری جھلسی سے پہننے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے شریف نے سوچتے ہوئے کہا۔
”وہ کیا“ ندیم نے جلدی سے پوچھا۔

”کہ قہدمی اور رخسانہ کی شادی کر دی جائے“ شریف نے سنجیدگی سے جواب دیا مگر وہ دل میں اسے ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

”ہرگز نہیں مجھے ضرور لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں“ ندیم نے تیزی سے جواب دیا ”رخسانہ صاحبہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ وہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ ہم دونوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور پھر آخر میں کیوں کسی کے لئے قربانی کا بھگنا بنوں۔ مجھے ان سے کیا دلچسپی ہے؟“
”تو یہاں کون آپ کی خوشامد کر رہا ہے؟“ رخسانہ دوستے ہرستے بول۔
”افوہ تم دونوں نے پھر لڑنا شروع کر دیا۔“

”آپ ہی دیکھ لیجئے بھلا ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں“ ندیم نے جیسے احتجاج کیا۔

”میرے خیال سے ایسا کہتے ہیں“ شناز نے مشورہ دیا کہ فی الحال اس پریشانی سے پہننے کے لئے یہ دونوں شادی کر لیں اور جب بات ختم ہو جائے تو ان کی مرضی سے اس رشتہ کو قائم رکھیں یا ختم کر دیں۔“

”بھئی داد کیا جواب مشورہ ہے؟“ شریف اچھل پڑا ”بقول شمس رنگ گئے نہ بھٹکری اور رنگ بھی چو کھا گئے۔ اور اسی کو میں بھی کہا گیا ہے کہ نہ اپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ پولیس کا اطمینان بھی ہو جائے گا اور ان کا بھی کچھ نہ بگڑے گا بشرطیکہ.....“

وہ لمحہ بھر کے لئے رکا اور شریرانہ لہجہ میں بولا

”بشرطیکہ بعد میں کسی کی نیت نہ بدل جلتے۔“
 ”جی ہاں مجھے اسی کا خطرہ ہے۔“ ندیم جلدی سے بول پڑا۔ ”بیرحمہ تو
 نواب گنج سے ہمارے گئے پڑی جا رہی تھیں؟“
 ”ضرور، رخسانہ نے سسکیاں لیتے ہوئے منہ چڑایا۔ ”پتہ نہیں آپ
 کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں، آپ تو میرے پاؤں بھی پڑیں تب بھی میرا جواب
 یہ ہی ہوگا کہ ملنگارا بلناست اشیائے“
 ”بس تو پھر یہ بتاؤ کہ آپ ابھی سپر کو قاضی صاحب اور اپنے
 چند دوستوں کو بلا کر ان دونوں کا نکاح پڑھا دیں؟“ ٹھنار نے کہا۔
 ”بھئی، یہ انداز کی بات یہ ہے کہ مجھے اس تجویز سے سراسر خطرے کی بڑھک
 ہے۔“ ندیم نے سوچتے ہوئے کہا۔

”خطرے کی کیا بات ہے۔ جب تم دونوں ہی ایک دوسرے کو ناپسند
 کرتے ہو تو معاملہ ٹھنڈا ہوتے ہی علیحدہ ہو جانا“ شریف بولا۔
 ”جی ہاں دل کے بھجائے کو تو بہت سی دلیلیں دی جاسکتی ہیں۔“ ندیم
 نے جواب دیا۔ ”بہر حال مجھے ان محرم کے آنسوؤں پر رحم نہ آگیا ہوتا تو کبھی ہرگز
 آمادہ نہ ہوتا۔“

”تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں رخسانہ ٹھنار نے پوچھا۔
 ”میرے امی ابو کو پتہ چلے گا تو وہ کیا کہیں گے۔“
 ”ہم انہیں پتہ چلنے ہی کیوں دیں گے؟“ شریف نے جواب دیا۔ ”اس
 علاوہ جیسا کہ طے ہو چکا ہے یہ ایک بالکل عارضی انتظام ہے کوئی مستقل
 ہوتی تو البتہ ٹکڑ کی بات تھی۔“

اور اس طرح اسی دن عصر کے وقت تقریباً پانچ بجے میں چار گواہوں
 موجودگی میں قاضی صاحب نے ندیم اور رخسانہ کا نکاح پڑھا دیا۔

”کیا ہے“ ندیم نے انتہائی روروش سے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ آج ایک ہفتہ ہو گیا ہے مگر کوئی ٹائم سے کی دامت کا اشتہار ہی نہیں دیتا۔ دس پندرہ جگہ درخواستیں بھی بھجوا چکا ہوں وہاں سے کسی ٹائم کے بندے کو جواب دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔ وہ شریف کی طرف متوجہ ہوا۔ ”یہ آپ کا دولت آباد بھی بس یوں ہی ہے۔ ایک غریب الوطن مسافر کے لئے اس کی فیکٹوریوں، طوں اور کمپنیوں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ بھی وعدہ تو روز کرتے ہیں مگر شاعروں کے محبوب کی طرح ایسا ایک بھی نہیں کرتے۔“

”آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے شریف بھائی کہ پہلے میرے لئے کسی دامت کا انتظام کریں گے۔“ رخسانہ نے کہا۔

”کیوں جناب آپ میں کون سے مرغاب کے پر لگے ہیں کہ پہلا چانس آپ کو دیا جائے۔“ ندیم تیزی سے بولا۔ ”اصولاً میرا حق زیادہ ہے میں تو کہتا ہوں آپ کے سلسلہ میں شریف بھائی پر کوئی ذمہ داری سرے سے عائد ہی نہیں ہوتی۔ آپ اپنی مرضی سے گھر سے نکلیں اپنی مرضی سے اتنی دلد کا سفر کیا۔ اپنی مرضی سے شادی کی مگر دامت آپ کو شریف بھائی تلاش کر کے دیں۔ اچھا کیوں۔“

”میں نے ہرگز اپنی مرضی سے شادی نہیں کی۔“ رخسانہ نے تھلا کر جواب دیا۔

”جی ہاں نکاح کے وقت شریف بھائی نے آپ کی طرف سے کہہ دیا تھا۔“

”وہ ایک مجبوری تھی۔“

”درست ہے مگر میرے لئے آپ کے لئے کوئی مجبوری نہیں تھی۔“

ندیم نے کہا اور شریف سے پوچھا۔ ”آخر یہ ڈھونڈ کب تک چلتا رہے گا کیا ابھی تک آپ کے ڈی ایس پی صاحب کو اطمینان نہیں ہوا۔“

”جی میں نے نکاح نامہ کی فوٹو اسٹیٹ کوئی تو انہیں جا کر دے دی تھی۔ شریف نے بتایا۔ لیکن وہ انہوں نے لے کر رکھ لی۔ اور ابھی تک واپس نہیں

کی ہے اور جب تک واپس نہ ملے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب ہو میں بلا کر سوال
جواب کر لے۔

”یہ اچھی نصیحت ہے“ فریم بڑبڑایا ”اب جب تک میری سگ صاحبہ کے
سے ملکی ہوئی ہیں کسی خوبصورت لڑکی سے فلرٹ بھی نہیں کر سکتے تاہم آئندہ
کچھ بچ کی شادی کے موقع پر کام آئے گا۔“

”میری طرف سے آپ جہاں چاہیں بھٹک مارنے پھریں مجھے کیا۔“
”مگر مجھے ہے۔ کل آپ خانا تک کرتے وقت سیلزمین سے
سکر اکر باتیں کر رہی تھیں۔ یہ بات مجھے بے حد نا پسند ہے۔ فریم بڑ۔“
”ہر اگر سے۔ میں آپ کی پسند و ناپسند کی پابند نہیں ہوں۔“
”بالکل ہیں جب تک آپ کو دنیا سنزیدیم خیاں کیلئے اس وقت تک
آپ کسی فریوان سے بات نہیں کر سکتیں خاص طور پر سکر اکر۔“
”وہ آپ کیا کریں گے۔“
”میں..... میں..... مانگیں توڑ دوں گا۔“

”اپنی“

”جی نہیں اس فریوان کی“
”دیکھ لیجئے شریف بھائی رحمانہ نے شکایت کی“ طے ہو چکا تھا کہ
اس رشتہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ اس طرح
رہے ہیں جیسے..... جیسے..... وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

”ہاں مجھے یہ بات تو ہے“ شریف نے تائید کی ”جب تمہیں ایک
دوسرے سے کوئی مطلب ہی نہیں تو لے جلتے پر پابندی کیسے لگا سکتے
ہیں۔“ اچھی بات ہے۔ یعنی ہم تو اس مقدس رشتہ کا خواہ وہ عارضی ہی
اتنا احترام کریں کہ کوئی لڑکی ٹائم بھی پوچھتی ہے تو یہ ہی جواب دیتے ہیں
”میری شادی ہو چکی ہے کسی اور سے پوچھنا اور بیگم صاحبہ کا یہ حال۔“

کہ..... خیر کوئی بات نہیں اب میں بھی ایک ست ایک حسین لڑکی کے ساتھ کلب جانا مشورہ کر دوں گا۔

”تم دونوں کی لڑائیوں نے تو ناگ میں دم کر دیا ہے“ شہناز توری چڑھا کر بولی ”آپ ان سے لئے کوئی کامدھندگیوں نہیں تلاش کرتے“ اس نے شریف سے کہا ”دن بھر گھر میں کٹ کھنی مرغیوں کی طرح لڑتے رہتے ہیں“ یہ لوگ کچھ بتانے کی مہلت بھی تو دیں“ شریف نے سلس کرتے ہوئے میں نے ایک نہایت مناسب ملازمت کا بندوبست کر لیا ہے۔

”میرے لئے نا“ ندیم نے جلدی سے پوچھا۔
”جی نہیں میرے لئے کیوں شریف بھائی؟“ رخسانہ بھلا کیسے خاموش رہتی ”بھئی تم دونوں کے لئے“ شریف نے جواب دیا ”میرے ایک دست میں سیٹھ رمضان بہت بڑے آدمی ہیں۔ انہیں اپنے لئے ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور اپنی جوان لڑکی کے لئے ایک یوٹر کی ضرورت ہے میں نے تم دونوں کا ذکر کیا تو فوراً آمادہ ہو گئے تھیں آج ہی میرے ساتھ ان کے ملکر چلا ہے۔“

”کیا ہو سکی سیٹھ صاحب کی“ ندیم نے پوچھا۔
”عمر تو پچاس پچپن سال سے کم نہیں ہے۔ مگر صحت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے چالیس سال سے زیادہ کے نظر نہیں آتے“ شریف نے بتایا۔
”بس تو پھر میں ان کا سیکرٹری بن جاؤں گا۔ اور رخسانہ ان کی لڑکی کو پڑھائیں گی۔“ ندیم نے کہا۔

”جی نہیں مجھے پڑھانے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میرے لئے سیکرٹری کی پوسٹ مناسب رہے گی۔“ رخسانہ نے جواب دیا ”سیٹھ صاحب تو اکیلا دیں گے“ اس نے شریف سے پوچھا۔

”سیکرٹری کو دو ہزار اور چھوٹے کو ایک ہزار روپیہ“ شریف نے جواب دیا۔
”پھر تو سیکرٹری کی جگہ لازماً مجھے ملنا چاہیے“ ندیم نے کہا ”مجھے زیادہ

”تخواہ کی ضرورت ہے۔“

”کیوں صاحب آپ کو زیادہ تخواہ کی ضرورت کیوں ہے؟“ رخسانہ نے بگڑتے ہوئے پوچھا۔ ”دنیا جانتی ہے کہ عورتوں کے اخراجات مردوں زیادہ ہوتے ہیں۔“

ہوتے ہوئے گئے ”ندیم نے ٹاپروا جی سے جواب دیا، مگر مجھے آج کل ایک پوسے خاندان کا بوجھ اٹھانا ہے۔ کبھی نہ کبھی کوئی اصلی بیوی ملے گی۔“ منہ دھور کھیں کسی کا دماغ خراب نہیں ہوا ہے جو آپ کے ساتھ قسمت پھوڑنے پر تیار ہو جائے گی۔“

”بھئی میرے خیال سے تو اس بات کا فیصلہ کرنا سیشہ صاحب کا کام ہے۔“ شریف نے کہا ”جیسے جس جگہ کے لئے مناسب سمجھیں گے، رکھیں گے۔ تم دونوں جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے اپنی نگاہیں ”ٹھیک دس بجے کی کوٹھی پر پہنچ جاتا ہے۔“

”مجھے نہیں رخسانہ صاحبہ کو تاکید کیجئے۔“ ندیم اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں سے پہلے تو ان کا میک اپ ہی ختم نہیں ہو گا۔“

”اور خود جناب جو دو دو گھنٹے سینڈش رینر سے چہرے پر ملاتے ہیں، وہ کچھ نہیں۔“ رخسانہ نے فوراً جواب دیا۔

”میں اسی پر حیران ہوں کہ دنیا کی کوئی بات ایسی ہوگی جس میں ہم لگے اختلاف کا پہلو نہ تلاش کر لو۔“

شہناز نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اتفاق کرنے کے لئے مسقولیت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بد قسمتی

آتی سی بھی رخسانہ صاحبہ کے حصہ میں نہیں آتی۔“

ندیم نے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ رخسانہ کوئی جواب دے سکے کرتے سے نکل گیا۔

”تو میں کہہ رہا تھا“ سیٹھ رمضان نے سر سے پیر تک ندیم اور رخسانہ کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا ”اچھا تو یہ ہیں وہ دونوں جن کی تم نے سفارش کی تھی۔ ویسے سفارش کا حال یہ ہے کہ میں نے باہر کے ملکوں سے کچھ بھائی مشنری درآمد کرنے کے لئے ایک بہت بڑے آدمی سے سفارش کرائی کہ حکومت مجھے کم سے کم دو لاکھ کلائسنس دے دے۔ مگر جب کلائسنس ملا تو وہ صرف پچاس ہزار کا تھا مانتے دن سے بندوق کے کلائسنس کی درخواست دے رکھی ہے تو وہ بھی ابھی تک بن کر نہیں آیا ہے۔ ادھر آج کل جو بندوق بن کر آ رہی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ وقت پڑنے پر ترکاری کاٹنے کا چاقو ان سے کہیں زیادہ فائدہ ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا بھی دماغ خراب ہونے لگا ہے۔ کہتے ہیں صحت کے لئے ترکاریاں ہی کھانا انہیں ضروری ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ترکاریاں ہی کھانے پر تو ہم ادھر کیوں آتے تو میں کہہ رہا تھا کہ“

”آپ نے یہ کہا تھا کہ میں ان دونوں کو لے آؤں تو آپ سیکرٹری ناؤ ریڈر کی پوسٹ کے لئے عمر کا لیں گے“ شریف جلدی سے بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”ضرور ضرور تو میں کہہ رہا تھا میاں کہ نام کیلے تھا“ سیٹھ رمضان نے ندیم سے پوچھا۔

”جی جیسے ندیم کہتے ہیں“

”ندیم“ سیٹھ صاحب نے زیر لب دہرایا ”بھئی یاد آیا ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کسی کتاب میں بھی پڑھا تھا۔ کچھ ایسی ہی بات تھی کہ کسی شخص نے کسی صاحب کے ہاتھ کوئی چیز بھجوائی تھی مگر وہ صاحب پلٹ کر ہی نہیں آئے تو انہوں نے تم سے شکایت کی کہ تجھ سے تو کچھ کام نہیں لیکن اسے ندیم اور پتہ نہیں کیا“

”جی ہاں وہ ندیم ہیں ہی ہوں“ ندیم نے جلدی سے کہا۔

”بڑی خوش ہوتی تم سے مل کر تو میں کہہ رہا تھا کہ بے بی کو بھی شورش ہو
کا بہت شوق ہے۔ تم یقیناً اسے بہت اچھی طرح پڑھا سکو گے۔“ ایسے چہرے
سے فائدہ کیا ہے۔ یہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پچھلے سال کی بات ہے کہ
مجھے تین وکٹا تکم ٹیکس دے کر بھی پانچ لاکھ فائدہ ہو گیا تھا۔ اس سال مالدار
بہت غریب ہیں۔ جگہ جگہ ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ دنگا فساد جو رہا ہے تو میں کہہ
رہا تھا..... کیا کہہ رہا تھا میں بھی۔“

انہوں نے شریف کی طرف دیکھا

”آپ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ نے ندیم کو بے بی مادہ کا میٹرٹر رکھ لیا
ہے۔“ شریف نے بتایا۔

”بالکل بالکل اور یہ لڑکی سیٹھ رمضان نے رخسانہ کی طرف دیکھا تھا۔
کیا نام ہے بھی۔“

”رخسانہ“ رخسانہ نے جواب دیا

”اس“ سیٹھ صاحب چورنگے۔“ رخسانہ تو شاید سکندر اعظم کی بیوی کا نام تھا۔

”تھا نہیں مہراب مودی صاحب نے جو فلم بتائی تھی اس میں رکھ دیا۔“

تھا۔ ندیم نے بتایا۔

”وہ ہی تو میں بھی کہہ رہا تھا“ سیٹھ صاحب نے گردن ہائی۔ ”گو یا کرتی

دنوں سے فائدہ نہ تھا۔ پہلے ہی سے تھا میرا۔ بہر حال تو تم آج سے میری

سیکرنسی ہو۔ کام کچھ ایسا زیادہ نہیں ہے۔ بزنس میرا لاکھ کمال سنبھال لیتا ہے۔

دو چار خط جو میرے نام آتے ہیں۔ بس ان ہی کے جوابات وغیرہ دینا ہوتے ہیں

یا پھر کبھی کبھی کمال دفتر سے کچھ ٹائپ کا کام گھر لے آتا ہے۔ ٹائپ تو تم جانتی ہو گی۔

”جی ہاں کچھ لو بھی سا جانتی ہوں مگر جلد ہی سیکر جلدوں کی“ رخسانہ

نے جواب دیا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے کام کے بارے میں زیادہ فکر مت کرتا بس

جسٹا ہو جانے ٹھیک سے مگر ٹانگہ سے ڈیوٹی پر آنا بہت ضروری ہے
 میٹھ صاحب نے کہا اور میز پر رکھی چٹی گھنٹی پر ہاتھ مارا آواز سن کر
 ایک چپراسی نما ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

”دیکھو بے بی اور کمال میاں اپنے کمرے میں ہوں تو انہیں بلاؤ سیٹھ
 صاحب نے چپراسی کو حکم دیا اور جب وہ چلا گیا تو مشریت کی طرف دیکھ کر بے
 ”ہاں بھئی تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے ان لوگوں کو تنخواہ وغیرہ کے بارے میں تو
 بتا دیا ہو گا۔“

جی ہاں۔ سیکرٹری کے لئے دو ہزار اور ٹیوٹر کے لئے ایک ہزار میں نے امین
 بتا دیلے۔ شریف نے جواب دیا۔

”غلط بتایا ہے تم نے“ میٹھ صاحب نے فوراً کہا ”جب تم نے ان
 کا ذکر کیا تھا تو یہ نہیں کہا تھا کہ ایک لاکھ سا ایک لاکھ کی میں ذاتی طور پر
 لڑکیوں کو پسند کرتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود عدوت کے مقابلے میں مرد کا کام بھی
 زیادہ ہوتا ہے اور ذمہ داریاں بھی ہیں ندیم کدو سزا اور دھنسانہ کو ایک چکر پیسہ دینگے
 ندیم نے منہ چڑانے والے انداز میں دھنسانہ کی طرف دیکھا مگر دھنسانہ نے
 جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ”تو میں کہہ رہا تھا کمال فدا کیے کھٹے۔“
 مزاج کا لڑکا سے میٹھ صاحب نے اپنی بات جلدی رکھتے ہوئے کہا ”دفتر سے
 فارغ ہو کر شام کے وقت کب وغیرہ بھی جلتا ہے بہت جلد بے تکلف ہو جاتا
 ہے۔ اس کی باتوں کا برا منت ماننا۔ آج کل لڑکیوں نے فدا فدا سی بات پر برا
 ماننے کا فیشن اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ فیشن کوئی دیر پا چیز نہیں ہے جو موسم کے
 ساتھ بدلنا سہل ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو موسم کے بدلنے کا بھی انتظار نہیں کرتا ویسے
 دولت آباد کا موسم بڑا ادا ہوتا ہے۔ نہ گرمیوں کا پتہ چلتا ہے نہ سردیوں کا
 اور پتہ تو آج کل کسی بھی چیز کا نہیں چلتا۔ صبح سے اپنا چشمہ کہیں رکھ کر بھول گیا
 ہوں۔ اسی کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔“

”ایک چشم تو آپ نے لگا بھی رکھا ہے ندیم نے بتایا۔
 ماس میٹھ صاحب نے جلدی سے اپنی ناک ٹٹولی تعجب سے چشم لگا
 ہوا ہے اور پھر بھی صاف نظر نہیں آتا کہیں میری نگاہ کچھ ادا کنزور تو نہیں ہو گئی۔
 ”میرا خیال ہے اس میں آپ کی نگاہ کا قصور نہیں۔“ رخسانہ نے کہا اس ذرا
 شیشے صاف نہیں ہیں۔“

”محول دلا قوہ“ میٹھ صاحب چشمہ مار کر قیصر کے دامن سے اس کے
 شیشے صاف کرنے ہوئے ہوئے کمال سچ ہی کہتا ہے۔ سیکرٹری کے بغیر آدمی کو کچھ
 بھی شک سے نظر نہیں آتا تو میں کہہ رہا تھا کہ.....
 مگر اس وقت کمرے میں کمال اور نادرہ داخل ہوئے اور میٹھ صاحب
 کو یہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے ندیم نے دیکھا کہ کمال
 ایک خاص خوش شکل اور جامن زیب نوجوان ہے اور جس قسم کے تنگ و چست
 کپڑے اس نے پہن رکھے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت زیادہ ماڈرن بھی
 ہے۔ نادرہ اپنے بھائی سے بھی دو چار قدم آگے ہی نظر آتی ہے۔ کوئی شک نہیں
 کہ نفسیہ اس مختصر لباس نے جو اس نے اس وقت پہنا ہوا تھا۔ اس کے حسین و
 مستول جسم کو بے حد پرکشش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔

”تو میں کہہ رہا تھا نادرہ بیٹی کہ میں نے آج تمہارے لئے ایک بہترین ٹیوٹ
 کمانٹا مگر دیا ہے“ میٹھ صاحب نے انہیں آتے دیکھ کر کہا۔ ”ہاں سے طویہ ہیں۔“
 ندیم صاحب تمہارے لئے استاد اب اس سال تمہیں دسویں کے امتحان میں
 گیارہویں رانر فیل نہیں ہونا چاہیئے۔
 ”اوہ ہاؤ سو ریٹ“ نادرہ نے باریک سی آواز نکالی اور بڑی بے تکلفی سے
 صوفے پر بالکل ندیم کے برابر بیٹھ گئی۔

رخسانہ نے براہ راست نہایا۔

”آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی“ ندیم نے اچھے ملائے ہوئے کہہ

اور جیسی کمال میاں دیکھ لو کہ میں نے اپنے اور تمہارے لئے ٹیک سیکر ٹری
میں ہنر کار رکھ ہی ہے۔

”ہاؤ ڈو یو ڈو“ کمال نے تنگے بڑھ کر رخسانہ کے ہچکھانے کے باوجود اس
کا ہاتھ پکڑ ہی نہیں لیا بلکہ اسے کھینچ کر صوفے سے کھڑا بھی کر دیا۔
”آئیے وہ بولنا میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جہاں بیٹھ کر آپ کو کام
کر رہے ہیں۔“

”ہاں لے جاؤ“ سیٹھ صاحب نے گردن ہلاتی معنوں میں کہہ رہا تھا۔ تاہم
جیسی کہ تم بھی ندیم کو اپنا اسٹڈی روم دکھاؤ۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آج ہی سے
یہ مکان بھی شروع کر دو۔ آخر جب ٹیوٹر رکھ لیا گیا ہے تو وقت کیوں ضائع کیا
جائے۔ وقت بڑی دولت ہے اور دولت بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہے۔ اور
یہ تمہارے ہاتھ مجھے ہی تنگے نظر آ رہے ہیں یا واقعی تم نے کوئی پکڑا نہیں
لیا رکھا ہے۔“

”نہیں ڈیڈی میں نہیں نے جا رہی تھی کہ چیرا سی نے بتایا آپ بھی ہے
میں تو یہ نہیں جانتی تھی“ وہ صوفے سے ندیم کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تیسے چلیں
رخسانہ کمال کے ساتھ اور ندیم تادوہ کے ساتھ کمرے سے باہر چلے
گئے تو سیٹھ صاحب شریف کی طرف متوجہ ہوئے۔

”ہاں شریف صاحب میں کہہ رہا تھا کہ.....“
”کتاب مجھے بھی آپ سے رخصت کی اجازت مانگنا چاہیے۔ وہاں اسٹوڈیو
میں میرا انتظار کیا جا رہا ہو گا۔“

”یہ نہیں“ سیٹھ صاحب نے سر ہلایا ”میں غالباً کوئی اور ہی بات کہہ
رہا تھا۔“

رخسانہ بڑے انہماک سے کوئی خطا ٹائپ کر رہی تھی۔ کمال نے اہستہ

سے کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکا۔

رخسانہ کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ دبے پاؤں اندر آیا اور بہت احتیاط سے ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا رخسانہ کی کرسی کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ رخسانہ بدستور سر جھکا کر ٹائپ جاری ہی تھی۔ کمال نے ایک لمحہ کے سوچا پھر اس کے دونوں ہاتھ اُسکے برقعے اور رخسانہ کی آنکھوں کو چھپا لیا۔

”کون“ رخسانہ چونک گئی۔

کمال نے ایک قہقہہ لگا کر ہاتھ ہٹا لئے۔

”کیوں ڈر گئیں؟ وہ نہتے ہوئے بولے۔

”آپ“ رخسانہ نے چٹ کر کمال کو گھورا ”یہ کیا حرکت ہے؟“

”حرکت ہی میں برکت ہے۔“ رخسانہ ڈیر کمال نے جواب دیا۔

”معلوم ہے پانچ بج چکے ہیں۔ آج کا کام ختم؟“

”میں ایسی ہی جی باتیں پسند نہیں کرتی“ رخسانہ ترشی سے بولی۔

”مگر میں بہت پسند کرتا ہوں۔“

”تو پھر آپ مجھے اپنی پسند کا پابند کیوں سمجھتے ہیں؟“ رخسانہ نے بولنا شروع کیا۔

”دیا“ ذرا ہٹ کر کھڑے ہوئے۔ ”مجھے یہ ضروری خط ابھی ختم کرنا ہے۔“

”یہ رہا تمہارا ضروری خط“ کمال نے ٹائپ رائٹر سے کاغذ کھینچ لیا۔

”تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی پسند ہی کا نہیں پتہ لیتا۔“

”مجھے سمجھتا ہوں۔“

”تو کان کھول کر سن لیجئے کہ میں یہاں صرف ملازمت کرنے آئی ہوں۔“

رخسانہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

کمال نے ایک قہقہہ لگا لیا۔ ”تو دانستے کے سامنے سے گھبراتے ہوئے“

نہیں نے یہ قہقہہ سنا اور اس کے قدم رک گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں آ گیا۔

”پھر کیا ہوا۔ محبت کرنا لازمت کی شرائط کے خلاف تو نہیں ہے کمال نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ رخسانہ ڈارلنگ کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتیں؟“

کمال نے رخسانہ کو اپنی طرف کھینچی تو ایک لمحہ کے لئے رخسانہ کا چہرہ دروازے کی جانب ہو گیا۔ اس نے مذہم کو کھڑے دیکھ لیا اور مزاحمت کا ارادہ ترک کر کے کمال کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

”کون کہتا ہے کہ آپ بُرے ہیں؟“ وہ بڑے انداز سے پچک کر بولی۔
 صورتِ مشکل ہزار میں ایک ماڈرن تعلیم یافتہ، دولت مند سوسائٹی میں عزت و شرافت کے ستون، آخر محمد اس نے کیا شے آپ کو نہیں دی، میں تو کہتی ہوں کہ آپ البرہم خود دیو سب تملی نوجوانوں سے وکھ درجہ بہتر ہیں جنہیں ان کی مردانگی کا زعم کسی شریف لڑکی سے سیدھے منہ بات نہیں کر سنے دیتا میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ ڈیوٹی کے ٹائم میں یہ سب باتیں چھی نہیں لگتیں؟“
 ”تو... تو... گویا تم میری محبت قبول کرتی ہو کمال نے بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

”کیوں نہیں آپ کسی بھی لڑکی کے لئے ڈیوٹی ٹوہر بن سکتے ہیں“

”اور رخسانہ ڈارلنگ کمال نے اسے آغوش میں لے لیا۔“

”اتنی بے صبری اچھی نہیں ہوتی کمال صاحب“ رخسانہ نے دیکھتے ہوئے کہا ”تم سے کم ابھی ہمیں ایک دوسرے کو کچھ اوسبگنے کا موقع ملنا چاہیے پھر آپ اپنے ڈیوٹی سے بھی بات کر لیں کہ انہیں مجھے اپنی بہو بنانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟“

”ڈھیری کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈاڈا لگ“ کمال نے جواب دیا ”وہ تو اور خوش ہوں گے کہ انہیں بیٹے کے لئے بیوی تلاش کر سنے کی پریشانی سے نجات ملی معلوم ہے میں اب تک کم سے کم ایک درجن رشتے مسترد کر چکا ہوں“
”اچھا مگر کیوں؟“

”کوئی غلطی کی پسند ہی نہیں آتی تھی“ کمال نے جواب دیا ”محبت تو دل کا سودا ہے تمہیں دیکھتے ہی دل سے بے اختیار کہہ دیا کہ ہاں یہ ہے کوئی چیز ندیم تیری سے کھوانا اور دائرے سے نکل گیا۔ رعسانہ نے دزدیا غلوں سے اسے جاسے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔
”تو آپ کسی چیز کی تلاش میں تھے۔ وہ شوخی سے بولی۔
”ہاں ایسی چیز جسے میں اپنی آنکھوں کے راستہ دل میں بٹھاؤں“
کمال نے بڑے ردائیک لہجہ میں کہا۔

”مگر میرا قد پانچ فٹ تین انچ ہے اور وزن ایک سو پانچ پونڈ ہے۔“
”اے اسی شوخی سے کیا اور۔۔۔۔۔“
”اور سینے چٹیس انچ کمر بائیس انچ“ کمال بات کاٹتے ہوئے بولا۔
”میں جانتا ہوں ڈاڈا لگ میں نے نگاہوں کے گز سے تمہارے تمام آپ نے لئے ہیں؟“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا رعسانہ کے چہرے پر ایک رنگ سا اگر گندک میں کہہ رہی تھی کہ اتنی بھاری بھر کم چیز رکھنے کے لئے تو کسی احمق کے دل کی ضرورت ہو گی؟“

”میرا دل کسی احمق کے دل سے بھی بہت بڑا ہے“
”ایک بات اور بھی ہے رعسانہ آہستہ سے بولی۔
”وہ کیا؟“

”میری شادی بھی ہو چکی ہے؟“

کچھ بھی ہو چکا ہو مگر میں اب تمہاری محبت کے دعوے سے دست بردار نہیں..... کمال کہتے کہتے رگ گیا پھر ایک دم چونک کر بولا "کیا کہا تم نے کیا ہو چکی ہے؟"

"شادی"

"شادی؟ کمال جتنا کس سے؟"

"ندیم صاحب سے"

"یہی ندیم جو تادمہ کو پڑھا ہے؟"

"ہاں"

"لا حول ولا قوۃ وہ بھی کوئی آدمی ہے جس سے شادی کی جائے کیا تم نے اپنی پسند سے کی تھی؟"

"نہیں۔ بس حالات کی مجبوری تھی۔"

"کوئی بچہ تو نہیں ہے؟"

"چار بچے ہیں۔ رخسانہ سر جھٹکا کر بولی۔"

"کمال ہے تمہارے چہرہ سے تو یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہوگی کتنے دن ہوئے شادی کو؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ ہوا ہو گا۔"

"کیا کمال اچھل پڑا؟" ایک مہینے میں چلنے کے؟"

"میرے حقوڑی ہیں جو رخسانہ نے سادگی سے بتایا۔" ندیم صاحب

بہلی بیوی کے ہیں؟

"لا حول ولا قوۃ۔ تم نے تو مجھے پریشانی ہی کر دیا تھا۔ کمال نے اطمینان

دلا ہی تھا۔ تمہارے ماں باپ کیا اندھے تھے کہ انہوں نے ایک بیوی کی ہرجوئی

کے باوجود تمہاری شادی ندیم سے کر دی؟"

"یہ بیوی موجود نہیں تھی نا؟" رخسانہ نے بتلایا۔

”مرچکی تھی“ کمال نے تیزی سے کہا۔ بات تو ایک ہی ہے۔
”نہیں مری بھی نہیں تھی؟“

”نو پھر“

”طلاق لے کر والدین کے گھر چلی گئی تھی“

”تو یہ مزید اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی شریف عورت ندیم کے ساتھ
گزر نہیں کر سکتی“ کمال نے جوش کے ساتھ کہا۔

”میں نے بتایا نابلس حالات کی مجبوری تھی؟“

”میں اس مجبوری کو ختم کر دوں گا۔ تمہیں ندیم سے طلاق کا مطالبہ کر

پڑے گا۔“

”وہ نہیں دیں گے؟“

”تو میں اُسے جان سے مار دوں گا۔“ کمال اٹھیاں کس کر ہوا۔

”مجھے حاصل کرنے کے لئے آپ قتل جیسا سنگین جرم بھی کر سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں، تمہیں کیا معلوم؟“ رخسانہ ڈار فک کر تہمدی خاطر زمین کا

پھیر سکتا ہوں، آسمان کے تار سے توڑ کر لے سکتا ہوں، اپنی تمام دولت اپنی زندگی

اپنا سب کچھ تم پر بچھا کر دے سکتا ہوں؟“ کمال بڑے جوش میں بول رہا تھا۔

”اوردہ بھی تو گائیے؟“ رخسانہ نے بڑے انداز سے شرماتا کر کہا۔

”کیا۔“

”وہ ہی گانا جو انداز میں دلپ کمار نے گایا تھا؟“ رخسانہ سنوتایا۔

”جے اگر تو پھر بھر میں گیت سنانا جاؤں؟“

”سنگ مجھے گانا نہیں آتا“ کمال نے جھینپ کر کہا۔

”تو پٹریک گاؤں آج کل عام رواج ہے۔ انداز میں بھی دلپ

خود غور بھی گا رہا تھا؟“

”تمہیں گانا سننے کا بہت شوق ہے؟“

”مہرت“

”تو پھر آؤ کلب چلتے ہیں وہاں ڈانس بھی ہو گا ہے نور گانا بھی؟“
”آپ مجھے کلب لے جائیں گے؟“ رخسانہ نے چونک کر پوچھا
”کیوں نہیں؟“

”آپ کچھ مجھے کلب لے جائیں گے؟“ رخسانہ سرت سے مہجی۔
”ہاں ہاں بھئی۔ ابھی اسی وقت“

اور یہ سنتے ہی رخسانہ نے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر دھا شروع کر دیا۔
”اے اے کمال گھر آگیا۔ یہ کیا کر رہی ہو؟“

”دو درہی ہوں“ سسکیاں بھرتے ہوئے رخسانہ بولی۔
”مگر کیوں کیا میری کوئی بات ناگوار لگی ہے؟“ کمال نے پوچھا اور رخسانہ
نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”تو پھر“ کمال نے پھر پوچھا۔
”یہ ہی بات ایک مرتبہ مجھ سے ایک اور صاحب نے بھی کہی تھی؟“
”اچھا پھر کیا ہوا؟“

”مجھ میں کپڑے بدل کر انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آئے۔ دوسرے
دن اخبار میں پڑھا کہ کار کے حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا۔“
رخسانہ نے جواب دیا اور زور زور سے رونے لگی۔

”تو نہیں اس وقت ان کی یاد کیوں آئی؟ کیا ان سے محبت کرتی تھیں؟“
”نہیں“ رخسانہ نے سسکیوں پر آہستہ آہستہ کہا ”مجھے یو نہیں خیال آیا
کہ ان کے مرنے کے دو سال بعد آپ نے کلب چلنے کی دعوت دی ہے۔ اگر
نپ کا بھی انتقال ہو گیا تو یہ نہیں یہ بات سننے کے لئے مجھے کتنے سال انتظار
کرنا پڑے گا۔“

”اے کمال سنئے لگا۔ تم گھر آؤ نہیں میرا بھی مرنے کا کوئی پروگرام

نہیں ہے۔
 ”سچ بچ“ رخسانہ نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے ”کیا اللہ میاں سے
 براہ راست بات ہو چکی ہے؟“
 ”یہ ہی سمجھ لو کمال نے قہقہہ لگایا ۱۰ چھٹا شاپس اب تم جلدی سے
 جا کر منہ ہاتھ دھو لو پھر ہم کلب چلتے ہیں۔“
 ”آپ یہاں انتظار کریں میں ابھی آتی ہوں۔“ رخسانہ نے کسی ننھی بچی کی طرح
 اچھل کر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

کمرے میں ٹیپ ریکارڈ پر کسی مغربی آرکسٹرا کی تیز اور کان کے پر
 پھاٹنے والی بے سڑی آوازیں گونج رہی تھیں۔ نادروہ چست چٹون پور نہیں
 پورے کمرے میں گولے شکافی پھر رہی تھی۔ ندیم اندر داخل ہوا اور خاموشی
 ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔
 ”آپ کو ڈانسٹ ڈانس کرنا آتا ہے؟“ نادروہ نے ندیم کے سامنے کھڑے
 ہو کر شکتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ندیم نے پوچھا؟ حالانکہ اس نے سن لیا تھا۔
 ”ڈانس؟ یہ جو میں کر رہی ہوں“ نادروہ نے کچھ اور بلند آواز سے کہا۔
 ”مر رہی ہوں“ ندیم جیسے کان پر ہاتھ رکھ کر سننے کی کوشش کرتے ہوئے
 یوں ”کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔“
 ”کیا میری آواز آپ کو ستانی نہیں دے رہی ہے؟“ نادروہ نے
 مرتبہ پیچھے ہوتے پوچھا۔

”ندیم نے صوفے سے اٹھ کر ٹیپ ریکارڈ کا سونچ آف کر دیا۔
 ”ہاں اب کیسے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟“ اس نے پوچھا۔
 ”میں بوجھ رہی تھی آپ کو ڈانسٹ ڈانس آتا ہے؟“ کیا یہ کوئی نیا

بیرک کے کورس میں شامل کر لیا گیا ہے۔ "ندیم نے سادگی سے کہا۔
 نادراہہ ہنسنے لگی۔ "اگر وہ مولوی صاحب جو بچپن میں مجھے تاعلم پڑھاتے
 آتے تھے۔ یہ بات کہتے تو درست تھا۔" وہ بولی "مگر آپ تو نے زلف کے گریجویٹ
 ہیں۔ آپ کو تو اسلوبے خبر نہیں ہونا چاہیئے۔"
 "آپ کو نماز پڑھنا آتی ہے" ندیم نے اچانک سوال کیا۔
 وہ ہٹ "نادراہہ نے منہ جھاڑ کر ندیم کی طرف دیکھا "نماز کا ڈالمن سے
 کیا تعلق ہے؟"

"کچھ نہیں۔ میں نے یونہی ایک سوال پوچھا ہے۔ آتا ہو تو بتا دیجئے۔"
 "نہیں" نادراہہ برا سامنے بنا کر بولی "مجھے نہیں آتی نماز۔"
 "اگر کالونٹ اسکول کے وہ عیسائی ماسٹر صاحب جو آپ کو ریاضات
 پڑھاتے ہیں۔ یہ بات کہتے تو درست تھا۔" ندیم نے جواب دیا۔ "مگر آپ تو
 مسلمان ایک مسلمان گھرانے کی بیٹی ہیں۔ آپ کو تو اسلوبے خبر نہیں ہونا چاہیئے۔"
 نادراہہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ "یہ آپ نے مجھ پر ظن کیا ہے؟" وہ بولی اس کی
 نگاہوں میں غصہ کی چمک تھی۔

"بالکل نہیں۔ میں آپ کے والد صاحب کا ملازم ہوں۔ ملازمت میں جواب
 دینے کی ہمت نہیں جوئی۔ ظن کیا کریں گے؟" نادراہہ بات کو غصہ میں پھینکی یا ایک دم
 تنقید کر دینے لگی۔ "پتہ نہیں کیوں؟" اس نے عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔
 مجھے آپ پر غصہ آتے آتے رہ جاتا ہے۔ آپ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں؟
 ممکن ہے رحم آجائے؟"

"رحم نہیں پیار۔" نادراہہ ندیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی
 "وہ شعر تو آپ نے سنا ہو گا کہ ان کو آتا ہے۔ پیار پر غصہ ہم کو غصہ پر پیارا آتا ہے۔
 آپ نہ جانتے کیوں مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں کہ جی چاہتا ہے پس دیکھ ہی جاؤں؟
 میں دو بکے آیا تھا۔" ندیم نے گھڑمی دیکھتے ہوئے کہا "اور میں وقت باریج

بچ کر سات منٹ ہو رہے ہیں ساڑھے تین بجے آپ شاپنگ کر کے واپس آئیں اور اس کے بعد سے ٹیپ ریکارڈ پر اچھل کود شروع کر دی کیا آج پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے۔

”میں تو دل و جان سے پڑھنا چاہتی ہوں مگر آپ موقع ہی نہیں دیتے“
 ”خیر یہ بھی میرا ہی قصور ہے“ ندیم نے کہا ”چلتے تو اب کتابیں ملنے جلدی ہے“

”کتابیں۔ وہ کس لئے؟“

”پڑھنے کے لئے“

”مگر میں تو آپ کو پڑھنا چاہتی ہوں“ نادرہ نے جواب دیا ”اور آپ ہیں کہ کسی ممنوعہ کتاب کی طرح سر بند ہیں کسی طرح کھلتے ہی نہیں۔“
 ”میں وہ کتاب ہوں نادرہ عاجز جس کے تمام حقائق سادے ہیں۔“
 ”تو پھر میں ان پر اپنی محبت کی داستان لکھ دوں گی۔“
 ”آپ کو لکھنا آتا ہے؟“ ندیم نے مدھی سے کہا ”ذرا لیتے تو دینی کاپی لیں اردو ایسا بولتے ہوں۔ آپ لکھ کر دکھائیے۔“

”آپ مجھے بھی سمجھتے ہیں جو اس طرح بہت کی کوشش کر رہے ہیں نادرہ نے کچھ برا مان کر کہا۔

آخر آپ چاہتی کیا ہیں ندیم نے جیسے عاجز کر پوچھا۔
 ”میں آپ کو چاہتی ہوں“ نادرہ ایک دم بڑی جذباتی ہو گئی اس نے ندیم کے قریب آ کر اپنی باتیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔
 ”میں چاہتی ہوں آپ مجھ سے محبت کریں۔ صرف مجھ سے جب میں آپ کی طرف دیکھوں تو آپ کا دل دھڑکنے لگے۔“

”اور بلا پریشانی رہ گیا تو“ ندیم نے ہنستے سے کہا۔
 ”اور جب میں آپ کے سامنے سے گزروں“ نادرہ اسی جذباتی انداز میں

بول رہی تھی "تو آپ میرے راستہ میں نگاہوں سے پیار کے پھول پھاتے
چلے جائیں۔"

"مگر یہ تمہیں بوڑھی کی نہیں ملے گی ضرورت ہے۔"

"پھر جب میں آپ کے پاس آؤں تو آپ میری مدد بھری آنکھوں کی
لہریں میں ڈوب کر مجھے محبت کے نغمے سنائیں اور جب میں آپ سے ملا ہوں
تو وہ ہی نغمے آپ کے ہونٹوں پر براہ کے گیت بن جائیں اور جب ہم چاند کی
چاندنی اور تاروں کی چھاؤں میں اس ظالم سماج کی نگاہوں سے چھپ کر ایک
دوسرے سے ملیں تو آپ مجھے بے اختیار اپنی اس خوش میں لے کر گئیں۔۔۔۔۔"

"نادرہ" ندیم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا:

"جی "نادرہ" نے آنکھوں میں آنکھوتے ہوئے سرخ ڈوروں اور گہری

رنگوں کے ساتھ کہا:

"ایک کپ چائے چلاؤ گی؟"

"ضرور چلاؤں گی" "نادرہ" مدافعی میں کہہ گئی پھر ایک دم چونک کر ندیم سے

اٹک ہوتے ہوئے بولی "یہ کیا بد مذاقی ہے۔"

"چائے پینا بد مذاقی ہے" "ندیم" نے پوچھا اس کی نظریں بے ارادہ دروازے
کے نیچے برستے پردے کی طرف اٹھ گئیں محوئی مذاہمی کی ایک جھلک یہ بتانے
کے لئے کافی تھی کہ وہاں رخسانہ کھڑی ہے۔

"تمہارے من نہیں نادرہ ڈارنگ" "ندیم" ایک دم چپکے ہوئے ہجہ میں بولا:

"چائے سے چاہ بڑھتی ہے۔"

"کی" "نادرہ" اچھل پڑی "کہیں میرے کان مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے
ہیں ابھی کیا کہ تھا آپ نے۔"

"نادرہ ڈارنگ" "ندیم" نے پردے روٹنی انداز سے کہا:

"ایک بار پھر کہئے" "نادرہ" نے جیسے مدہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

میرا کہ جس نے میری خدمت کی وہ میری طرف سے ہر شے ہے۔
 میرا کہ جس نے میری خدمت کی وہ میری طرف سے ہر شے ہے۔
 میرا کہ جس نے میری خدمت کی وہ میری طرف سے ہر شے ہے۔

۱۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ تو یہ کہ یہاں ہم لوگ کیوں رہیں
 کھڑے کیوں نہ چلیں مثلاً کھڑے کھڑے نہیں رہی ہیں گئے اور غریب بھی ہو چکا
 کھرب دنگر فل مناد ایک مرتبہ تو خود ہی خوشی سے
 اچھلی تھی مگر دنگر فل کا فل اس کے منہ سے نکلے ہی رہا خدا کا دھرم بھی چل
 گیا ہوا توروں و سرسری مرتبہ ہی پہننے کی شدت تکلیف سے اچھلتے رہتے توروں
 پر ہی رہا شایب جھوٹے میں ہاتھ دھو کے ہاتھ تھی
 مگر جہاں ہم نے زبردستی چہرے پر بھرا بیٹے کے غرات پیدا کرنے
 ہوتے پھر چھارہ رعایت کی حرکت دیکھ چکا تھا
 مگر توروں جواب دینے کے بجائے ایک دھمکے پر کھڑے طرح
 کے لٹ پڑتے ہوئے چہرے کے نیچے اور جہاں سے وہاں سے چھوڑا دھمکے
 کہ اس ناگہانی افتاد کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔



یہ وہی ہے جو کہ گھڑ گھڑا کر رہا ہے میں نے جانتے کی بیانی
نہیم کی طرف بڑھتا ہوں نہ ہر جہاں کہیں ہے کہ شک نہ ہوں اور اس کے

روحانی عالم بھائی کے ساتھ کب کیوں آئی ہے
 "روحانی عالم درخشاں کر دیکھیں کہ ہے شادی کر لیں" میری ہنسی کی طرف
 متوجہ ہوئے ہوئے کہ
 "آپ مجھ سے فرض شادی کر رہا ہے ہیں" تادم نے خیریت سے

جواب دیا
 "دو چوتھی میں ایک بات کہہ رہا ہوں فرض کر رہی اور تمہاری شادی
 میری ہے" وہ یہ "وہی تمہارے چہرہ پر درخشاں ہو رہی ہے" وہ فریج
 کوئی چہرہ دلا

• بالکل نہیں تادم نے فوراً جواب دیا "مگر یہ اتنی اچھی بات فرض
 کیوں کر ہے" کچھ شادی ہی نہ کریں
 "وہ تو خیر میری ہی لگی ہے مگر میں سہا ہوتا تھا کہ خدا اس رحمت کو دیکھو
 بیشک صاحب نے اس کا دل صاحب کے ساتھ کیوں ہی بگڑے ہوئے کو تو
 مگر یہی نہیں بتا ہے

میرا میں تمہاری جہنم کی ہے تادم نے ہنس کر کہا "ملک ہے اس
 نے کمال بھائی کو پسند کر لیا ہے
 "بات تو یہ ہے کہ اب تو نے کسی کو پسند کیا ہے کہ نہ تو
 نہیں رہا

وہ کہیں
 "اس کی شادی ہو چکی ہے
 "اچھا" تادم نے حیرت سے پوچھا "کس کے ساتھ"

میرا ہے

• کہہ رہے ہیں بڑی حیرت سے کہ "خاتمِ یہاں تھے جوئے کو میں
شادی شدہ ہوں۔ میری حالت قبلِ گرتے کے لئے تیار ہو
کیوں نہیں؟" تاہم نے فرمایا جواب دیا، ایک یہ خوفِ عورت کہ میرے
کو بھر رکھتے ہو۔ سزاؤ میں ایک دسے کہ میں اس کی طاقت سے قائم ہوئی
نہ تھاؤں میں کیوں نہ اس میں جیسے کہ اٹھا کر اپنے گھر کی ذہنیت بنالوں؟
اور بعد تم تفسیر میں کہش میں نے پہلی مرتبہ ہی تم سے شادی
کی جوئی کے صلہ میں کہ کسی دنیا میں ایک ایسی ہی موجود ہے۔

۱۱۸
مجھے برا لگتی ہے۔ وہ میرا نہیں جو نواب گنجی میں ہمارے گھر و دروازہ پر آگیا تھا
بلکہ وہ میرا جو بادشاہوں کا دربار میں حکم کی وال۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ کسی
حکم کے مجھے کا دربار تک نہ پہنچے۔

”مگر ایک شرط ہے“ اور وہ یہ کہ۔

”وہ کی تمنا ہے ساتھ شاوی کر سنے کے لئے مجھے میرا شرط منظور ہے۔“

”آپ کو خبر ہے کہ ملوک دربار سے کی؟“

”ہاں اگر اس سے نہیں لی تو۔“

”پہلے ہاں سوال ہے“ اور وہ نے غور کر کے، اسے پوچھ رہا ہے۔

”تیس معلوم نہیں وہ برٹش غور کر رہا ہے“ اور یہ بتا دینا شاوی کے لئے

میں نے اسے اس کے کتے پر ہتھ دھائی میں ایک سو سنی، انگوٹھی دینا چاہی

مادہ لکھو، اس وقت وہیں بنی بیٹھی تھی، لیکن اس نے وہ انگوٹھی میرے منہ پر

مادہ وی اور انگوٹھی لٹ کر لائی کہ مجھے آپ کی کوئی چیز نہیں مانگنی ضرورت

پول تو بار بار سے خود خبر ملاؤں گی۔

”مگر ملوک کا انگوٹھی سے کیا تعلق؟“

”یہ تو مجھے معلوم نہیں“ جو ہم نے سر ہلایا، ”مگر بتانا چاہتا ہوں کہ خزانہ

سے زیادہ قدرتی ہے۔ یہ کھربا ہے کہ میری دی ہوئی کوئی چیز اسے نہیں

چاہیے اب ادھر کی دنیا ادھر پر چلتی ہے مگر وہ ملوک اپنے پر سر گزار نہیں کر سکتا

اب ہر سنا ہے کہ میں ملوک میں ایک مانتہ دی جاتی ہیں مجھے ایک ہڈی کی مہر نہیں

تین ملوک میں ایک مانتہ تو وہ قیامت تک نہیں ملے گی۔

”کیسے نہیں ملے گی“ تاہم نے ایک دم کرسی پر کھسکا کر اٹھتے ہوئے

کہہ ”تو آئیے تو میری مانتہ۔“

”یہ غصہ کرتی جو“ نرم کھیر کر، وہ کب میں جاتا

کھڑا ہو جاتے گا۔

میں تین بیوقوف نہیں ہوں۔ اور سب خواب دیکھ آؤ گی بات سے
مرا ہوا توڑ ہوئے کی صورت سے ایسی پیش چکیں ہوں گی کہ وہ خود
سے ہمت ہوا کر غلط مانگے گی۔

”سچ کہہ رہی ہو؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔
”میں آپ دیکھنے جا رہی ہوں۔“ وہ کمال اور رضا کی بیٹی کی طرف
بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ دونوں قریب پہنچے تو کمال نے یوں چپک کر دیکھا جیسا
پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو۔

”اور میوندیم صاحبہ وہ زبردستی مسکراتے ہوئے تھیں؟“ آپ
رنگ بھی آگے بڑھ گئیں۔

”یہ تادہ صاحبہ پکڑ کر سٹے آئیں؟“ میں نے پوچھا۔
”کیا گویا ہمت نہیں
کر رہا؟“

”جی ہاں کہیں آپ ندیم صاحبہ کو قتل یا بچ سمجھنے لگیں؟“ رضا نے
کمال سے کہا۔ ”یہ سب سے ابھی تک دوسروں کی شکل بگڑ کر رہی ہے۔“
”ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں کمال بھائی؟“ تادہ نے کہا۔

”غور و انداز۔“ کمال نے اظہار غور کی اخلاقی سے کہا۔ ”چلے مٹکڑوں
آپ لوگوں کے ساتھ۔“

”ابھی آپ ندیم صاحبہ کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں؟“ تادہ نے
پوچھا۔

”آئیے کمال صاحبہ ہم رگہ قص کریں؟“ رضا نے تادہ کی بات
نظر انداز کر گئی۔

کمال جیسے اٹھا ہی کہ منظر تھا فوراً اٹھ گیا۔ دونوں ڈائریکشن غور
پر پہنچ گئے۔

۱۸
 "دیکھو تم نے کتنی چلوک ہے" ہم ہنسے کہا
 "کئی بات نہیں میں بھی سمجھا نہیں پھڑوس لی، شے ہم میں نہیں
 کریں گے؟"

یہ مگر مجھے دلیس نہیں آتا۔
 دلیس آپ میرے قدموں کے ساتھ قدم اٹھاتے رہیں۔ "نادر نے
 ندیم کو ہاتھ کیچ کر گریسی سے کھڑا کر دیا۔
 کب لاہر گزرا اس وقت شاید کسی کی قریش پر والہ کی دمن بھی
 رہا تھا جو مغربی تہذیب کا نسبنا شریکانہ لگتا ہے۔

وہ جس غلوں پہنچتے پہنچتے جوڑوں سے میرا ہوا تھا، تار و پود کچھا کر
اسی جگہ میں مٹا دی ہو گئے کمال اور رخسانہ دوسری طرف تھے۔
”دیکھا“ کمال نے رخسانہ کے کان میں سرگوشی کیا ”نہیم کس غلوں
سے تار و پود کھینچ کر ہماری بینہ پر آگیا تھا؟“

”اچھا میں نے خود نہیں کیا، رعنا نے بولی، میں اس وقت دوسری طرف
دیکھ رہی تھی۔“

”وہ جتنا اچھا ہے کہ اسے آپ کی ہفتی وار برسی پر پہنچاؤں گا۔“
”جی ہاں، آج ہی گھر میں ہے ہر بات، وہی باتوں میں ہی کہہ رہا
ہوں۔“

آپ کے برعکس مجھے دیکھتے آگے الٹا ہوا تھا کہ بالکل رشتہ
 کے کاروبار کا تھا میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں اتنی محبت
 کرتا ہوں کہ.....

پشاور..... یہ ایک بڑی سی کلہاڑی اور گلی کا سرچڑھ ہے۔
 خزانہ کے سر سے لگایا۔

یہ کہان بہت عجیب تھا: "کمال نے عید کی سے توڑ دی اور گریبٹ اسے

۴۱
 دانتے کو یہ سمجھ گیا۔ مگر سب سے اپنے طور پر مفروضہ کر لیا کہ ایک ہاتھ
 چھوڑ کر دوسرے ہاتھ سے تیرا ہرا پھوٹا ہوا ہاتھ لے لیا تھا۔

”آپ تو بڑا اچھا لڑکس کہتے ہیں۔“ نادرہ حیرت سے کہہ رہی تھی۔
 ”میں نہیں۔“ نادرہ ڈانٹ لگا کر یہ تھا کہ یہ محبت و رقص کر رہی ہے۔ نادرہ
 نے جواب دیا۔ وہ کہیں، نکھیرنے سے کہاں کو دیکھ رہا تھا جو چند لمحوں پہلے
 کے بعد دوبارہ اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گیا تھا۔

”آپ نے نہیں بے وقافتگی کی بے غیرتی و غفلت کی کہاں بھائی سے
 ایسی چٹنی ہوتی ہے کہ کسی نادرہ نے بڑے شکایتیں لپیٹ کر لیا۔“ نادرہ ایک
 آپ میں اتنا لگ لگ کر رہ گیا تھا کہ وہ اپنے لیے جو کچھ بھی سمجھتا ہے تو
 جھٹل جاتا ہے۔

”میں بھی لے جاؤں گا۔“ نادرہ ڈانٹ لگا کر نادرہ ایک ٹھنڈی
 سانس بھری شمع کی مانند تہا سہا لکھتے ہوئے نادرہ کے ہاتھ پر
 پردہ لٹک کر نکل کر دیکھتا ہے۔ مجھے ڈرا اس کی تپش کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ
 پھر نہیں کوئی شکایت نہ ہو گی۔

میری محبت شمع کی طرح جھلکے والی نہیں ہو سکتی۔ والی سے ۱۰
 نے جھڑپائی اور نہ کہہ سکا۔ ”اس میں لگ نہیں پاندنی کی ٹھنڈک ہے۔ تم سب
 قریب تو آ کر دیکھو۔“ میں نہیں سمجھتی کہ یہ نادرہ کے شرب پانی کی کہ تم
 اپنی بے وقافتگی کے دیکھتے ہو۔ تم تمام بھول جاتے ہو۔

نادرہ نے دیکھا کہ اس دور و زمانہ میں کتنے بڑے بڑے اسی جانب آ رہے
 ہیں۔ وہ نادرہ کے کچھ بہ قریب ہو گیا۔

”میرے قریب آؤ۔“ نادرہ کہہ رہی تھی کہ وہ میان میں کوئی فاصلہ باقی نہ رہے۔
 نادرہ کہہ رہی تھی: ”تم قریب آؤ۔“ کسی بھوتے پرستے خراب کی طرح
 تہا سے وہیں سے لے کر جاتے اور قریب آؤ۔ اور قریب آؤ۔ میں نہیں اپنی پکڑ

۱۶۶
 کے یہ بچوں میں بند کر کے اپنے دل کی آواز کو بھونکنے میں... ہونے لگی تھی
 تاروں نے بڑی مشکل سے ہاتھوں میں ہرٹ دیا کرتے تھے۔
 گورڈا اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے لگا لیا۔
 مکی ہر دو رنگ۔ "یہ سب سے دور پہنی ہوئی ریشما کو کوڑیہ لگا پہن سے
 دیکھتے ہوئے بڑھ چکی تھی کیا پھر کسی بھڑکنے کا شائبہ۔
 ٹھیک اس وقت ایک عرصہ آواز نکلی کہ عمارتیں پر گرنے
 لگیں ہر سٹے جوتے تالیاں بجاتے ہر شاہنشاہ اپنی میزوں کی طرف بڑھنے
 لگے تاروں ریشما کی دین کا دور مرتے شک ہو چکی تھی۔
 "آپ جیسے" اس نے غم سے کہا۔ "میں لڑائی ہو کر بھی لڑائی
 لکھیں خیریت کیا مجھ سے ہاتھ دھوئے گا تاروں ہے۔" غم سے
 شرمی سے کہا۔

غریب نہیں بلکہ ہاتھ دھو کر غریب کی جگہ پر گرنے کا خیال ہے۔
 نے ہنسنے ہوئے جواب دیا میری بولی "ڈراما کھانا پانی ہمارے گھر کے
 ڈنگ ملے۔"

میں بھی ساتھ چلوں "غیم نے پوچھا۔
 بھول کر کہ غیب سے مجھ میں تاروں نے سوال کیا
 "مجھ کو ڈنگ بیت ایک ہرٹ سے ملے ہے نہیں تفریق ہے۔"
 "نعلین غور زخم کا پتہ پتا رہا ہے۔"
 "اس وقت تو تم یہاں شکر کہہ رہے ہو۔"
 "یہاں آپ کی محبت نے مجھے شاعر بنا دیا ہے۔"
 "خوب" غیم مسکراتا "محبت بھی کیا چیز ہے مجھے رفاہی
 اور تپشیں شاعر۔"
 "میرے ڈراما ایک جھڑپ کی کہانی کہل گیا" ریشما نے قریب

نہ سے جو کہے کہ "خدا ویتا ہی متا متا دیکھنے کی۔"

"ہیں کوئی اعتراض نہیں" "تو کہنے چلتا کہ جو بڑا بشر ہے آپ
وہیپ کہتے ہیں کہ وہیپ کہتے ہیں۔"

"مگر خداوند خداوند بھی نہ جو وہ اپنی بات کہہ کر اس کے برعکس ہی
یہ اس کی خاص بات ہے" "تو کہنے تارو کہتے ہیں وہی بتاتی" "تار
رکے پھر ہی نہیں ہے۔"

"یہ خداوند بات پر اس کا وہاں دوست کروں گی" "تو کہنے
عزت سے بہت سکون ہے کہ یہ نہیں کہتے کہ وہیپ کہتے ہیں
ہے انہی ہی۔"

"اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے آدمیوں میں رنگ مارنے کے لئے
اس نے صرف نہیں ہی پسند کیا" "مگر یہی سادگی ہے بڑا" "یہ اس بات کا اثر
ہے کہ تم سے محبت کرنے والوں پر نہیں ہوں سیرے دیکھ بھی ہیں۔"
"خداوند پرستوں سے بچا کہ جو رنگ مار کر محبت کا اظہار کرتے
ہیں۔" "تو کہنے کہ وہیپ کہتے ہیں کہ اس کی طرف چل دی۔"

"مگر کہیں کی میری طرف بڑھ گیا" "تو کہنے کہ اس کی طرف چل دی۔"
"نہ سے جیسے کہتے ہیں۔"

"مگر یہی مگر کہتے ہیں کہ اس کی طرف چل دی۔"
"تو کہنے کہ اس کی طرف چل دی۔"

"مگر یہی مگر کہتے ہیں کہ اس کی طرف چل دی۔"
"تو کہنے کہ اس کی طرف چل دی۔"

"مگر یہی مگر کہتے ہیں کہ اس کی طرف چل دی۔"
"تو کہنے کہ اس کی طرف چل دی۔"

”مشرذیم آپ اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہیں؟“
 وہ بہت ہنس دیکھے ہر اچھا ہوں ”خیر ہم ہنسائی کر رہی تھیں کہ شالی
 آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔“ کمال نے بھی ہنس دیکھے جو نے کمال
 مذاق میری جو ہی اڑا رہے ہیں کم سے کم مجھے مذاق اڑانے کا حق تو ہے
 ”میں نے تم کو اگر جواب دیا۔“
 ”جیو میری“ دشمنانہ منہ دکھاتا میری کو خیال ہوتا تو آپ دوسری بات
 کو عقل میں نہ لے نہ پھرتے۔“
 ”اگلے گھنٹے والوں کو اٹھانے دینے پر نام کرنا زیب نہیں دیتا۔“
 اس کی طرف دیکھ کر غصہ ہوا۔
 ”یہاں کون بڑھ رہا ہے جو بڑھ رہا ہے اور آپ کو بڑھ رہا ہے
 میں ایک شریف آدمی کے چہیت لہذا بہت ذیبت دیکھیے۔“
 ”میں نے چہیت لہادی۔“ ”میں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ
 ”میرے اور کس کے؟“
 ”آپ نے مجھ چہیت اسے چہیت دیکھا تھا۔“
 ”کلب میں کسی اور کو مجھ سے آنی پر غاش نہیں جو ملکتی ہے
 میرے دوست ہیں۔“
 ”مکان سے آپ نے پہلے کسی اور دوست کی جو یہ بھی
 کیا ہو۔“
 ”آپ جیگر بیکوں پر چڑھ کر رہے ہیں۔“ کمال نے غصہ میں دانت
 برسے کہا۔ دشمنانہ منہ خود آپ کو چہیت مانس تو دیکھا تھا اور یہ اس
 بھی اس بات کی گواہ ہیں کہ خرافات کے جلسے سے کون بہرہ ور رہے
 دیکھتے آپ خرافات کو جان کر نہیں کہہ سکتے تب ہی فیصلہ کر سکتے
 کون باہر نہیں رہے۔“ ”خیر نے کمال کے ٹیڈی بلی کی طرف اشارہ کرتے

رواب دیا۔

”گرا۔ آپ نے چیت نہیں لہی میں دور رخسار مچھوٹ بول
سبے ہیں۔“

”یہ نہیں سہی چیت میں سے لہی تھی، پھر آپ کیا کر لیں گے؟“
”آپ نہ بامیر آئیے“ کمال نے کھڑے ہوئے کہہ سکتے کیا۔
”چیتے“ فریم بھی اٹھ گیا۔

کمال میں پھٹا ہوا محبت کے باہر ان میں آگ میں کے پر نکس فریم
نہیں پر سکون تھا رخسار کی گھڑائی بروٹی سی محسوس ہو رہی تھی مگر اس
کے اوپر اس نے کمال یا ندیم کو دھکے کی کوئی کوشش نہیں کی۔
”تو آپ اقرار کرتے ہیں کہ میرا چیت آپ نے لہی تھی“ کمال
نے آستینیں پڑھا سکتے ہو سکتے پر پھل۔

”جی ہاں لہی تھی، اور یہ بات تو میں پہلے ہی تو بھرا ہوں گا۔“
”صاف میں مزاح ہے مگر آپ سناں انگ میں تو میں دیکھ کر سکتا
ہوں“ کمال نے کہا۔

”صاف مجھے میں قیامت تک آپ سے سناں نہیں انگ سکتا
آخر کیوں ناگہری مجھے ضرورت کیسے مانگنے کی؟“ ندیم نے کہا۔
”کیا خیال ہے کمال نے رخسار کی طرف دیکھا“ سناں تو ایک
روح تھے انہوں نے انگ لی ہے۔ بات ختم کی جاسکتی ہے۔“

”وہی ولا فرة“ ندیم نے سناں کے لیے کہنے سے پہلے بول پڑا۔ یہ تو
بات ہی نہ ہوئی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ میرے آگے سے دھکے
نہیں آئیں گے۔“

”جی ہاں آپ مارے ہوں چپ چاپ برداشت کر لیتا کمال
میرے ساتھ ساتھ۔“

۱۲۶
 مہنیں خیرے تو فتح تو نہیں تھی۔ دوسرا تو ضرور چلائے "نیم سنہ
 چلتے ہوئے کہا۔

"اسے جانیے، بڑے دیکھے ہیں اسے دالے۔"
 "نیکے لہجے سے ضرور دیکھے ہوں گے اور دیکھے جی نہیں ہوں گے
 ان کے ہاتھ سے ابھی کھائی ہوگی۔" خیرستہ جواب دیا آپ کی حرکتیں
 ایسی ہیں۔"

"ہمت ڈالیں چل رہی ہے۔ ابھی ایک ہاتھ دونوں تو ساری شرمیلی
 ہو جاتے گی۔" کمال نے گھونٹ دکھا دی۔
 "چھوڑو۔ کیوں سس دلتا دالی باتیں کر رہے ہو؟" خیرستہ نے
 ہاتھ اٹھا دیے۔ "کسی راہ را پر چھوڑو۔" خیرستہ تو سولے دھمکیاں دینے کے
 لئے کچھ کی نہیں تھے۔

"تو یہ بات ہے۔ میں تو طرح دے رہا تھا مگر محرم ہو گیا تھا۔
 شامت ہی آئی ہے۔ کمال نے ایک قدم ہنگ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔
 "ہی اس کا ہاتھ تیزی سے اٹھا اور نیچے کی صورت میں خیرستہ کی گردن پر مارا۔
 "نیم کے لئے یہ عمل یا تو بالکل غیر متوقع تھا یا پھر اس سے دلالت
 ہے کہ بڑی بڑی بات کہہ چکی ہو۔ خیرستہ اس گھر سے کاہن ہی پر آدھ ہوا
 لڑکھواتا ہوا ہونٹ سے منگھاں پر پڑا تھا۔

کمال نے ایک اعجازِ حقارت سے اپنے رقیب کی طرف دیکھا۔
 جھاڑو بہاؤ خسانہ کی طرف پٹ ہی ہاتھ کہ محرم شیر کی طرف اچھل گیا۔
 ہرگاہ گھونٹا کھانے کی طرف پڑا۔ کمال بالکل اس طرح ایسے
 پیو ان کس کمر در حریف کو کھاتا ہے۔ ایک طرف بیٹ گیا اور نیم
 زمر میں دو ہاتھ لان کی گھاں کھاتا تھا۔ وہ پھر اٹھا۔ اس مرتبہ کمال نے
 اپنے پیٹ سے ہاتھ سے رکھا اور دالے ہاتھ سے ایک ذرا استغیثہ کیا۔

۱۲۸
منہ پر کسی پرک اندیم نے تہی عار تو بڑیاں س نکھائی چند لکھنک گھس پر
پڑا اپنا راجہ اور سحر ایک دم آگے کر کمال کی طرف بھٹ پڑا لگا لگا دو تہی گھنے
چلائے جو کمال نے گردن اٹھ کر سحر کی قداسی چشم سے نکلی دیتے اور جواب میں
دانت لکڑ کے جو ایک گھونسا نہ پیر کے سینے پر مارا ہے تو ہم ہستے کہہ کر
دیں لگیں۔

رخسانہ فوق چہرہ کے ساتھ یہ لڑائی دیکھ رہی تھی ہر مرتبہ اندیم سے
بٹنے پر اس کی آنکھوں میں ایک سیدھا جھک پیدا ہوئی اور ہر مرتبہ اس کے جھٹ
خانے پر اس کا رنگ بگڑا اور سفید پڑ جاتا ہم ہستے کہہ کر گراؤ بالکل بے اختیار
سی ہو کر کمال کی طرف پکی اور اس سے پہلے کمالی سر کا مقصد سحر
سے رخسانہ کا لڑا تھا اور ایک دہانے اور تھیر لڑائی کے حال کو سرخ کر گیا وہ
ایک اچھ منہ پر رکھے حیرت سے رخسانہ کو گھورتا رہ گیا۔

وہ سحر تھیر مارتے ہی جیسے رخسانہ کو انکا کلب حرکت کا احساس
ہو گیا جو اس سے گھبرائی ہوئی نظروں سے کمال کی طرف دیکھا۔

ہم..... معافی چاہتی ہیں وہ بھلائی میں دماغی اندیم کو
نہ اچھا ہتی تھی یہ کہہ کر وہ تیزی سے گھبرائی اور تقریباً بھاگتی ہوئی کلب کے
گیٹ سے دھڑلے لگی۔

حشیش کی تندرہ دار آواز سنائی دینا اندیم نے بھی سن سنی تھی اس نے
ذرا سہرا اٹھا کر رخسانہ کو گیٹ کی طرف بھاگتے دیکھا اندیم وہاں کا غور لگاتا
ہوا ایک دم بگڑا ہو گیا۔

ہستے گھونٹے اسے ہی تھمتے ہر سے چار پانچ "وہ کمال کو
گھورتے ہوئے بولا۔

کیوں کی پیٹ نہیں میرا اٹھ کھانے کا مادہ ہے کمال تیرے
نچ لکھنے کے جواب میں بولا۔

”تمہیں وہ سب کے سب مع سدا واپس کرنا چاہتا ہوں“ ندیم نے ایک دم اٹھ چلا دیا۔

اور پھر وہ شہر کمال حیرت زدہ رہ گیا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب کیا ہوا۔ ایک بیٹا سنا اسے اپنی گزشتہ عمر میں ہوا۔ اور خود کو مینا نے کی کوشش کے باوجود وہ دور تک لوٹنا چلا گیا۔ ابھی سیدھا نہیں ہو سکا تھا کہ ندیم ایک جست میں اس کے سر پر جا بیٹھا اور پھر تو ہار توڑ پانچ چھ گھر لے آئی پھر تی سے گئے کہ کمال کو گتے کی مہلت تھی نہ لی سکی۔ وہ ایک طرف سے اٹھتا تو دوسری طرف لڑھک جاتا۔ آخری منہ کھانے کے بعد اس نے مصحف ہسی میں دیکھی کہ کمال دبا کر چپ چاپ گھر میں پر پڑا ہے۔ وہ یہ بخت تو جان ہی نکال لے گا۔

کمال کی کار میں بیٹھے ہوئے رخسانہ نے بڑی حیرت سے ندیم کو گتے سے نکلنے دیکھا۔ وہ بڑا اکثر ہنسا کر چل رہا تھا اور ہر دھڑکے پر ایک گتہ لے کر ہل چکی تھی۔ کوہا تھا کہ وہ کمال کو کچھ شہرت پر لے گیا۔ اسی شہرت کے بڑھ گئی۔ رخسانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کمال کہاں رہ گیا۔ وہ ندیم کو کہتا تھا۔ وہ کلاس سے نیچے مڑی گیت کے قریب آکر دوسری طرف دیکھا اور اس کی دستکیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پہلی کی تیز رفتاری سے چلا گیا کہ کمال میں وہ خوب کی طرح پھیل رہی تھی۔ کمال ہار کے گتے کے ساتھ سہلے ٹکڑا ہوا گیت کی طرف آ رہا تھا۔

رخسانہ نے کمرے میں قدم رکھا۔ ندیم نے کرسی سے اٹھ کر پہلے رخسانہ کو دیکھا۔ وہ ہنسنے لگا۔

”دور سے بیٹھے ہیں؟“ وہ کئی آنکھوں سے رخسانہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”جی ہاں آپ کو شاکر ایک جواب سنا ہوں۔ بالکل سچ ہے۔ کل رات کو“

دیکھتے تھے۔

میرے دو بچے تھے۔ ایک اٹ پٹانگ خواروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ شہناز بیزاری سے بولی۔

”سینے تو نہیں“ میرے بڑے بڑے سے کہا کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے
 ہر کسی کی وہ حق صحرا میں تنہا سفر کر رہی ہوں یا حالک پرست نہیں کہاں سے ایک
 آدمی کا بگڑا سا ڈنکا براتیا۔ غور سے دیکھا تو ایک دیوانی اپنے بڑے بڑے
 زنت نکھنے تلے گھور رہی تھی۔ کیا بتاؤں شہناز اتنی غرقِ حق تھی کہ موت
 کہ خوف سے میرے روتے گھر سے پہنچے۔ سڑک پر ایک خدا پرست آٹھویں جیسے
 میل کے دیر سے بائیں طرف کی طرح سرخ اور کچھڑا تھی بھری ہوئی گریڈ پر
 کہ گول پر آ رہی تھی۔ خالک آدمی بال جن میں میں ریت پڑی تھی۔ تمام
 پھر سے پھر سے ہر سٹے تھے۔ اس نے منہ پھاڑ کر ایک جابجی لی اور
 سناؤنگ اس کا حلق تھا کہ کوئی پہاڑی سرنگ جابجی نے کرشمائی میں جیسے
 تال سے ساتھ پھول گئیں؟

شہناز نے وہ دیر غوروں سے دھماکہ کی طرف دیکھا۔

”میں نے کہا صاف کر دیں کوئی دیو ہوں۔ میرا تمہارا لیا ساتھ جدم
 کہ ہاتھ“ گھر دیوانی کی سمجھ میں کوئی بات کہاں آتی ہے ایکسٹریکٹ ایسا
 حورم ہو جیسے بولی کر جا ہر پھر نک کہ اس کی طرف دیکھا تو وہ کھنکھی کر کے
 پس رہی تھی بولی میں تال سے ساتھ شہناز کی کر دیں گئیں۔ میں نے
 ال میں سوچا آئی مصیبت بھلا کہاں دیوانی کہیں آدمی زلو ہستہ میں کیا دیکھا
 بولی کہ بالکل اسی جیسا دیو منہ سے بھاگ اٹھا بھاگ پھلا آدمی ہے۔ دیوانی
 اس سے میری شکایت کر سنے لگی۔ وہی کھوں بیان سے یہ آں دم زائد مجھ سے
 شہناز کی کر تال چاں ہے۔ دیو دانت ہیں کہ شہناز کھاتا میری طرف جھٹکا
 پہلے تو میں نے کہا بتاؤنگ خواروں کے لئے جھوکا کر کے گھر جب وہ کسی طرح

۱۳۰
 نا ہی نہیں تو مجھے بھی غصہ آگیا اور پھر جوں نے ہاتھ چلائے میں تو یقین کیے
 دو خاکہ چائے لکھ آیا۔

”پتہ نہیں کیسے پر کی ہانگہ رہے جو شہناز نے کٹائے ہوتے ہیں
 میں کہا: یہ کوئی خواب ہے۔“

”میں سب سمجھ رہی ہوں“ رخسانہ جگر دی ”آپ نہیں جانتیں۔ بچے
 سنا جا رہا ہے۔“

”یہ کیسے؟“ نذیم نے ہاتھ چلایا ”وہ ہی بات ہوتی کہ تم تو مجھے بھڑو گے
 میں آپ سے کب بات کر رہا تھا۔“

”اب یہ معاملات میری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں۔ رخسانہ
 شہناز سے مخاطب ہوئی ”آج نذیم صاحب نے کب میں وہ حرکت کی
 ہے کہ میری جانی سنگ کر رہ گئی۔“

”کی پھر کوئی جھگڑا ہو گیا تم دونوں میں؟“ شہناز نے پوچھا۔
 ”جھگڑا اخوند گردی کے آپا خوند گردی“ رخسانہ نے تیزی سے کہا۔

”پہلے تو انہوں نے مجھ سے کب میں کمال صاحب کے سر پر جھپٹ مار دی
 جب اس نے شریف آدمی نے احتجاج کیا تو بد معاشوں کی طرح ہتھیار اٹھا کر
 آئے اس نے مجھ سے کوئی بری طرح مانا ہے کہ میں اب کیا باتوں میں

کہا سو رہے ہوں ہوتے ہیں بڑا ہنسٹے والے پیری مرنے سے خواہ کس کے
 گھوڑوں پھروں۔“

”مگر بات کیا ہوئی۔“
 ”بات کیا ہوتی میں آج پچھلی کے بعد کمال صاحب کے ساتھ

چل گئی تھی۔ میں ملا فساد اسی کا ہے۔ خود چاہے اس جیٹیل ناؤ کے
 پر احوال کے پہانے جیت کی بیٹیں بڑھاتے ہیں تو کچھ نہیں۔“

”مگر نذیم یہ کیا من رہی ہوں؟“ شہناز نے ڈاٹا تمہیں ناؤ

رکھ گیا ہے یا پورے فریڈ

”یہ اس کے ساتھ کب بھی جاتے ہیں ہندوؤں میں بھی کہتے ہیں زخماں
نے شکایت کی۔“

”ہیں جاتا ہوں پھر آپ کو کیا“ نیم چڑ کر پوچھا۔
”کچھ نہیں میری جیسے آپ سوسائٹی کی آواز و تبلیغ کے ساتھ اس لئے
بھروسے میں تو یہ کہتی ہوں کہ آپ میرے پیچھے کرنا چاہتے ہیں میرا آپ کے
دماغ کیا ہے“

وفا تنہائی غصہ میں فتنہ کی طرف کھڑی۔
”اس نام نہاد شادی کے وقت یہ کیا تھا کہ غصہ پورے کی تحقیقات
اور خواہ مخواہ کی جھڑپ سے بچنے کے لئے ایسا کیا جا رہا ہے۔ یہ کہیں جب جا رہی
یہ کاغذی شہادتیں ختم کر سکتی ہوں۔ اب حالات بالکل معمول پر آگئے ہیں۔ پولیس
نے کاغذات بھی واپس کر دیئے ہیں پھر اس ڈرامے کو جاری نہ رکھنے کی کب
ضرورت ہے۔“

”آخر آپ جانتی کیا ہیں؟“ مدیم سننے تیزی سے پوچھا۔
”میں اپنی آزمائش جانتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ اس شہادے آپ کی
عدالت مجھے نظر آئے۔ آپ میں دھم میں کہ آپ کی بری ہوں۔ اپنی جان بچا
خواہشات مجھ پر تھوپنے کی کوشش ترک کر دیں۔ زخماں سننے تنہائی
غصہ سے جواب دیا۔“

”تو میں نے کب آپ کو باندھ رکھا ہے۔ یہی کی صحیح ہی ہوئی
میں متقل ہو جاؤں گا۔ مگر آپ بھی یاد رکھیں کہ اب آپ وہ بارہویہ ملنے
آنے کی کوشش نہ کریں۔“

”مگر شکل یہ ہے“ شریف نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ شاید در
سے یہ گرا دیں کسی بدعنوانی کے دونوں کی بات وہ شادی ہو چکی ہے وہ شادی

کا تعلق ہی طرح نہیں ٹوٹ سکتا؟
 "تو پھر تین طرح ٹوٹ سکتا ہے" رخسانہ نے پوچھا۔
 "یا تو ذمہ نہیں ملو تو دسے یا پھر تم عدالت میں غلط کا مقدمہ دائر کرو"
 شریف نے جواب دیا۔

"جب مجھے اس سے کوئی تعلق ہی نہیں کوئی ملے گی ہی نہیں تو مجھے
 کیا ضرورت ہے ملو تو میں کی؟" ذمہ لے لیا۔
 "کیسے نہیں دیں گے آپ کو ملو تو دسے کی؟"
 "مگر مجھے نہیں آپ کو آزادی کی بہت خواہش ہے تو عدالت سے
 رجوع کیجئے۔"

"آپ دیکھ سہیں شریفہ بھائی یہ عرصہ کیا میں اسے کی حفاظت
 کر رہی ہوں؟"
 "مجبوری جب تم دونوں اس کے کھٹے سے خوش نہیں ہو تو طلاق دے
 کیوں نہیں دیتے؟" شریف نے علیحدہ سے کہا۔
 "میں کیوں دوں؟ یہ خود عدالت سے ملے گی کیوں نہیں حاصل کر لیتی؟"
 "تم رعنا کی بیوی کی حیثیت سے رکھنا چاہتے ہو؟"
 "بالکل نہیں۔ میں کیا ایسی بیوی کا پتہ ڈالوں گا جو مردوں کے ساتھ
 لایحی پھرتی ہے؟"

"تو پھر دسے کیوں نہیں دیتے طلاق؟"
 "آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں طلاق دینے کا رواج نہیں
 ہے میں اپنی خاندانی روایت کیوں توڑوں؟"
 "کی تم عدیم کو اپنے شوہر کی حیثیت میں قبول نہیں کر سکتیں؟" شریف
 نے غصے سے پوچھا۔
 "مگر مجھے نہیں کوئی شریفہ لڑکی ایسے شوہر کو رہداشت نہیں کر سکتی تو

آواز اڑکیوں سے دلچسپی رکھتا ہوں۔ رخسانہ نے جواب دیا۔

”تو پھر تم عدالت سے تعلق رکھتے ہو۔“

”مجھے عجیب کر دیا گیا ہے بھی کر گزشتہ دن کی محکموں پر چلتی ہوں کہ کیا حقوق و شرافت اس کا نام ہے۔ کب یہ بات طے ہوئی تھی کہ مجھے اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ پڑے گا۔ رخسانہ نے بھارتی ہوائی اڈا میں کھانا کھا کر چھوٹ چھوٹ کر دھڑکے۔

”ہاں جیسی یہ بات تو ہے“ شرافت نے سوچتے ہوئے کہا ”شادی کے وقت جو بات طے ہوئی تھی اس کے مطابق تو ہمیں طلاق دے دینا چاہیے۔“

”میں کچھ دیر تک سکتے کے سے ظلم میں رخسانہ کو آئسوہلاتے دیکھتا ہوں۔ میں بھی عجیب جذباتی آدمی ہوں۔ وہ بونہ گیری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ کسی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو نہیں روک سکتا۔ اچھی بات ہے کہ وہ خود بخود کی صبح آپ کو غریبی طلاق نامہ مل جائے گا۔“
 ”اور یہ کہہ کر وہ تیز نیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی بات سن کر رخسانہ کے آنسو کے نہیں تھے بلکہ اور قدرت سے بہنے لگے تھے۔“

کمرے میں چوکی پر بیٹھ کر ہر باروں طرف دھڑکے ہوئے دل سے پر سرخ شعلے خوفناک ڈر ہو گئی تھیں۔ عین حال کل زبانی نکالے کمرے کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شرافت نے ایک جہت میں دھڑکے پاد کیا۔
 رخسانہ اپنے بنگ پر پہنچ کر سو رہی تھی۔
 ”رخسانہ! رخسانہ!“ شرافت نے اس کا کانا پکڑ کر جھنجھڑا دیا۔
 ”کھڑکھڑیں! کنگ کنگ کنگ ہے۔“

خدا نے کھرا کر انکھیں کھول دیں، شریف نے ہری طرح کھانٹنے لگا تھا۔
 کمرے میں بالکل اندھیرا تھا۔ منگر شعلوں کی لہریں پانی چمک پھرتا ہو کر وہ چالوں
 طرف گھٹا ہوا احوال نشاہ کرکھن وادہ میں صدمت طاری سمجھانے لگا۔ کافی
 تھا اس سے کیا کسے خبر ہو گی اور کھرا کر چہرہ بھشتی ہوئی تنگ سر پر عجبان کی جلی تھی
 کہ شریف سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

”کھرا ہٹ میں ہاں ملے اور نہ کی ضرورت نہیں ہے اور وغیرہ اور میں
 ہوا یہ تو میرے ہاتھ میں دانی سے پھیلنے والی تو یہ ہے جسے ننگ اور منہ پر نہ تو
 میں تمہیں اٹھا کر کمرے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

خدا نے ایک گیلی تو یہ شریف کے ہاتھ سے لی اور جلد ہی اسے ہنگر
 نکلنے شریف نے پہلے کسی کچھ کی طرح اسے گرو میں اٹھایا اور وہ دھڑکے کی
 طرف پڑا۔ بین اس وقت جبکہ وہ ایک قدم کے فاصلے پر دیکھا تھا کہ خدا نے
 ایک جلیتی ہوئی ٹکڑی کو کمرے کے اندر گیسٹے ہوئے دیکھا اسے اپنے سر پر ایک
 چوٹ کا احساس ہوا اور تا آج صبح پر بھی کسی نے نہ کہاں سے پھر نکل دیں
 اور پھر اس کا زہن دھولے کے کمرے سے نکلنے میں دوڑتا ہوا تھا۔

”شریف بھائی! میرے دم میں کی ترزا اور اسی۔ شاید وہ بھی اپنے کمرے
 سے نکل آیا تھا۔“

”کھرا نہ نہیں شہناز نے کہا۔ جو روانہ ہے باہر برآمد سے میں ٹکڑی
 جلی تھی شریف صاحب خدا کو کمرے سے نکلنے گئے ہیں۔“

اور پھر اسی وقت شریف تیزی سے آگ کے شعلوں میں سے نکلتا ہوا
 خدا کو گرو میں اٹھاتے شہناز کے کمرے کی طرف بھاگتا ہوا گیا۔ ایک دروازے پر
 کی بھری ہوئی بالٹی دیا اور جلیتی ہوئی دیو لہریں اور فریق پر ہٹ دھمکے ہوئے
 بھی جیسے برشیں یا وہ ہتھوڑے کی طرف دھڑا دوسرے منٹ وہ بھی ایک بالٹی
 پانی سے بھیڑے ہوا آ رہا تھا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر آگ بھڑک برائی خونخوار سے معلوم ہو رہی تھی
تین چار بیٹروں میں ہی سرور ہو گئی۔ اس طرف سے اطمینان ہوتا ہی وہ شہنشاہ
کے کمرے کی جانب پہلے شریف دیکھی تاکہ چٹ کر نہیں آیا تھا۔ اندھیرے میں
کدواڑا اندسے بند ہے۔

”شریف بھائی“ اس نے کواڑ پٹ ٹاٹے ”دھڑک دھڑکے“
”ڈراٹھو اور ابھی کدواڑا ہوں“ اندھیرے شریف کی آواز آئی
”تقریباً تین چار منٹ بعد وہ راز کھلا تو اندھیرے تابان ہو گئیں۔
کمرے میں بڑبڑاہٹ کی مدد تھی پورے تھی اور اس مدد تھی میں اندھیرے
رخسانہ کو چنگ پیسے سے پر اسے ہونٹا دیکھ اس کے چہرے پر خند پھیاں
بندھی پڑی تھیں۔

”اسے کی بڑا شریف بھائی“ اندھیرے بھڑکی ہوئی دکھ میں پوچھا
”پریشانی مرستی کی کوئی بات نہیں ہے“ شریف نے غصے میں
جواب دیا ”ایک جلتی ہوئی دھندلی دھندلے کے مشہور گھر کی تھی ایک گال
معمولی سا مجلس کی ہے“ انھیں دھندلے لکھ لکھ میں نے دعا لگا کر پٹی
یا اندھیرے سے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی“
”مگر یہ آگ لگی کیسے۔“

”مکھو سے بہیری ہی غفلت کا نتیجہ ہے“ شریف نے شرمندگی کے ساتھ
کہا ”میں شہنشاہ کو اپنی کھیتی ہوئی کچھ ڈاکو منتری غصے دکھا رہا تھا۔ اس کے
برائے میں ایک طرف چٹ کیا تھا اور شہنشاہ کے کمرے کے دروازے کے
پہرے رکھی جو جتنی ظلم کے کچھ نسبت تھا کراہے کراہے ہو رہا تھا۔
مگر کھلے ہوئے سیدہ کا ظلم ہوا ہے میں بھڑکی۔ کچھ دیر پہلے میں نے
شہنشاہ کی گردن پر ہاتھ لگا کر ظلم کا کچھ حصہ اس پر جا بڑھا اور اس کے
ہاتھ لگ گئی۔ میں نے دھڑکی سے خیر تر ہوئی مگر وہ میرا درد و مراد مان

جیسے نریش پر بھی ہوا تھا شعلوں کی پیٹ میں ایک دیوہوں پر وال ہیرنگ ہوا
تھا، وہ بھی مٹنے لگا، رخصت ہو کر وہ میں تھا، اس سے ایک بڑھنے کی صورت
اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، چنانچہ میں پہلے اسے نکال دیا، وہ لمحہ
میں لے کر نکلا۔

میرا خیال ہے، کل تو تم لوگوں نے بھادی ہوئی ہے۔
"ہاں آگ بجھ گئی ہے،" فریم نے کھوسے کھوسے انداز میں جواب دیا۔
"امید ہے کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا ہوگا،" شریف نے کہا۔ "تم یہاں
بیشو میں ذرا دباؤ دیکھ کر آتا ہوں، مگر دیکھو خاموش رہتے رہتے رخصت غالب
جہ ہوش ہے۔ اسے اٹھانے یا اس سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔"
"میں کسی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں،" ایم نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔
"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے،" شریف نے جواب دیا، "خوشی ہے
ڈاکٹری میں بھی جانتا ہوں، ضرورت کے مطابق ہی کر دیں، اسے ایک
مسکن دیا بھی دے چکا ہوں، صبح ہونے دو پھر دیکھا جائے گا۔"

رخصت نے ٹوٹتی ہوئی انگلیوں سے شہناز کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"آپ یہ سب کیا ہو گیا،" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی، "سچ بتائیے کیا
میری آنکھیں میرا چہرہ سب کچھ دیکھ چکی ہے۔"
"کیسی کاہلی کی باتیں کر رہی ہو،" شہناز نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ
ٹھیکے ہوئے جواب دیا، "تمہارے سنا نہیں ڈاکٹر صاحب بھی کیا کہہ گئے ہوں
انہوں نے بتایا ہے کہ آنکھوں پر تو عدا کے فضل سے خواہش تک نہیں آئی ہے
اور چہرہ بھی میں سمجھ رہا ہوں، جو تھوڑے ہی دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔"
"میں جانتی ہوں، آپ شریف بھائی ڈاکٹر صاحب سب کے سب
کی کوشش کر رہے ہیں، مجھے بتانا نہیں چاہتے تھے، مگر آنکھیں ٹھیک

میں پر گئیں تو پہلا مجلس ہوا چہرہ لے کر میں کیا کروں گی کہاں جاؤں گی۔
 ”پھر وہی بچہ کی سی باتیں۔“ شہناز نے بڑی ہنسی بھری نگاہ سے کہا۔ سب
 کچھ بالکل اس طرح ہو گا جس طرح تم چاہتی ہو میں نے مذہم کو راضی کر لیا ہے وہ
 تمہارے پیچھے ہوتے ہی طلاق کا کاغذ کھو دے گا شریف صاحب نے سینٹر
 رمضان سے یہ بات کر لی ہے وہ بڑی خوشی سے تمہیں اپنا سہوینا سے پر تیار
 ہیں تم کمال سے شادی کرنا چاہتی ہو نا تو کچھ لو کہ تمہارے جیوک ہوتے ہی
 شہنائیاں بھی بجنے لگیں گی۔“

”آپا! رخصت ایک دم گھر کر لٹنے کی کوشش کرنے لگی یہ یہ آپ نے کیا کہا۔“
 ”آرام سے لیٹی رہو۔“ شہناز نے اسے پھر لٹا دیا۔ کیوں نہیں کیا یہ بات
 سن کر خوشی نہیں ہوئی۔“

”میں نے آپ سے یہ کب کہا تھا کہ میں کمال سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“
 ”جی ہاں تمہاری اس ریت کی باتوں سے تو یہ ہی اندازہ ہو رہا تھا۔“ شہناز نے
 جواب دیا۔ ”پھر مذہم نے جو عداوت سنا ہے اس سے بھی ہم رنگوں نے یہ ہی راستے
 قائم کی کہ تمہیں مذہم کے مقابل میں کمال ہیست پسند ہے۔“
 ”میں اسکا ہوں آپا۔“ مذہم کی آواز آئی۔

”یہ کیا جہیں اچھا ہے۔“ مذہم نے ضرورت کی صورت کب سے محسوس
 ہونے لگی شہناز ریلی ”آستے کیوں نہیں۔“

”میکرو رخصت صاحب کا ہے۔“ مذہم نے کہا اور رخصت کو اس کی آواز بڑی لگی
 بھٹی سی محسوس ہوئی۔ ”میں لائی کی اجازت کے بغیر کیسے آسکتا ہوں۔“

”شکر ہے آپ کو یہ احساس تو ہوا کہ باتیں ایسی ہیں جن میں وہ سوں
 کی خواہش معلوم کرنا پڑتی ہے۔ انسان ہر ایک پر اپنی خواہش اور اپنی مرضی
 مسلط نہیں کر سکتا۔“ رخصت نے آہستہ لہجے میں کہا۔
 ”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔“ مذہم نے رخصت کی بات نظر انداز

کرتے ہوئے پر چلا۔
 مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کو میری طبیعت کے بارے میں کچھ نہیں
 کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟ دشمنانہ سے سختی سے جواب دیا۔ "آپ تو یہ فرمائیے کہ
 میں نامہ لکھا گیا حال ہے؟ آپ کی شاہیں تو شاید کلب میں ہی گندہ ہیں جو کچھ
 "جی ہاں آپ کو اندازہ درست ہے" نہ یہ کہ لہجہ میں بھی ترشی آگئی
 "موصاف کو یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ سیدہ رضائی نے ہماری شادی کی اجازت
 دے دی ہے"

پھر تو سہارن پور دشمنانہ ایک زبردستی منی کے ساتھ ہوئی "ابھی شہناز
 آپ نے بھی مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی شاید آپ نے سنا ہو
 اس لئے بتائی ہوں کہ سیدہ صاحبہ میری اور نکال کی شادی کی اجازت
 بھی دے چکے ہیں"

"میں یہ خبر سنی چکا تھا مگر آپ کے منہ سے سن کر کچھ اور ہی لگتا ہے
 نہ یہ سنے جرات نہ رکھتا تھا کہ سیدہ صاحبہ کو اس قدر خوشی دے اور شادی
 کے بعد صرف آپ پر قیامت کر سکیں"
 "آپ نہیں آپ کی فطرت میں چھپا ہوا شیطان بول رہا ہے" دشمنانہ
 تیزی سے کہا "فطرتی بات ہے کہ انسان جیسا خود بد کرتا ہے ویسا ہی دوسروں
 کو بھی سمجھتا ہے"

"درست ہے" لہجہ میں ہنسنے لگتا تھا "کہا" اور یہ شیطان
 گندہ من سمجھا کہ قرآن مجید سے دولت آباد تک پہنچے اور کئی سو میل دور
 کے سفر میں بھی ایک ایسی روشنی سے استفادہ نہیں کر سکا جو ہمارے گرد اس کی
 بننے کی درخواست کر رہی تھی"

"ہاں بھئی تو میں کہہ رہا تھا کہ سیدہ رضائی گھر سے میں داخل ہوتے
 رہے شاید آج کل دشمنانہ کا موسم آیا ہو ہے سب سے پہلے حکومت

کئی شش ماہی کے لئے، میورٹ ڈاکسنس کی درخواستیں طلب ہیں۔ پھر ایک
سروسی کیش کا نمبر آیا اور تمام انگریزی کے اخبارات، ٹیلیفون کے اشتہارات سے
بھی گئے۔ یہ اشتہارات بھی خوب ہر سقے ہیں۔ کئی ایک اشتہار دیکھنا اب تک
میں نے نہ دیکھا کہ دعوت ایک فطری چیز ہوتی ہے مگر اشتہار دیکھ کر پتہ چلے کہ
جب تک ایک خاص گھی نہ کھایا جائے، وہی کے دل میں مانتا ہی نہیں جاتی۔
وہ ایک وقت مکمل کی طرف گھر آئے جو ان کے گھر آئے۔

حال میں میں نے تم سے گفت مرید کہا کہ خافا مل کر بدایت کو دیکھو
نئے تیار وہ گھی کی پانڈی نہ پکاتے مگر وہ زمانہ پاؤ بھر کر شت میں سیر پھر گئی لڑائی
کہ وہ دیت ہے اور کرشت کو دیکھتے تو چوہے گم بنا جاتے ہیں۔ وہ سب سے شاکہ جانتے
ہے حق سے بچے نہیں دیتے گا چوہے گم کھا کر مکمل کے دانت علیحدہ خواب
سے بھاگ رہے ہیں مگر..... میں کیا کہہ رہا تھا بھئی؟

”آپ یہ زمانہ صاحب سے روچ رہے تھے کہ ان کی طبیعت کیسی ہے۔“
انہوں نے جملہ کیا ہے کیا

”ہاں تو بیٹی، میٹھ صاحبہ خدا کے ملک کے قریب کہیں پر پڑے
ہوئے ہیں پرچہ، دعوت کا آج تمہاری طبیعت کیسی ہے شریف صاحبہ تاپے
تھے کہ انشاء اللہ غار پہنچ دن بعد تمہاری طبیعت کھلنے والی ہے۔“

”جہاں ان سسٹم کو نے جواب دیا آج وہ ہے۔ خدا نے پادشاہ کو لہر یا پور کو
نہی کھل جائے گی۔“

”انشاء اللہ اللہ“ میٹھ صاحبہ نے بڑی قرات کے ساتھ کہا مگر
انہوں نے اپنی بیٹی کے منہ سے سنا جانتے ہیں؟

”کیسی طبیعت ہے؟“ خدا نے مکمل نے بھی بڑی طبیعت سے پوچھا
”تھیں ہوں، کب ان کی دعا ہے؟“ خدا نے بڑی بھری سے
کہا ”پھر یہی قسمت کی کہ منتظر ہے۔“

”فہم دی قسمت کو تو اچھا ہی منظور ہے بیٹی! بیٹھ صاحب ہوتے۔
 ”مگر میری قسمت میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی سکرٹری مکس میں
 نہیں گئی ہے اب تک کم سے کم دس ہجرت سکرٹری رکھ چکا ہوں۔ کیا یہ بھی
 اللہ کے بھی مگر کوئی اللہ کا بندہ دیا ہی ایک دروازہ سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔
 ”تو کرسی چھوڑ کر بیٹاگ جانتے ہیں؟ شہناز نے مسئلہ کو بے سطر نوچا تھا
 آپ نہیں ٹھہرنے نہیں دیتے۔“

”پتہ نہیں کیا طبیعت ہے بیٹھ صاحب نے جواب دیا مشکل سے ایک
 ماہ کر رہے تھے ان کی درخواست تھالی سے کہ فلاں بکس کو فدی کی شادی ہو جائے
 ہے۔ اس نے شادی کے اخراجات کے لئے ایک ہیٹھ کی پیشگی تحوا مانگ لی تھی
 مٹانے کے لئے تین ماہ کی رخصت فرما کر منوں کر ہی اب سوچنے کی
 بات ہے۔ بیٹھ بھری تو کرسی کے بعد تین بیٹھے کی چٹائی کو ان دسے سکاتے
 چنانچہ انہوں نے ان کو نوٹس دے دیتا ہوں یا وہ اسٹے اسے جاتے ہیں۔
 ہمدی رخصت بیٹی ان سب سے پریشان ہو گئی۔ یہ شادی بھی کرے گی تو
 ماہ کی چٹائی مع تحوا بھی وصول کرے گی اللہ میں اسے نوٹس بھی نہیں
 سکاتے شادی کے حرم میں میرا اپنا بیٹا بھی مانوڑ ہے۔“

”کیا محض نہیں آتی ہیں؟ رخصت جو اتنی دیر سے اس کی آواز سننے
 کو شش کر رہی تھی آخر پوچھ بیٹھی۔“

”نہیں بیٹی! بیٹھ صاحب نے بتایا اس کی کہ طبیعت خراب ہے۔
 ”خیریت تو ہے؟ شہناز نے پوچھا کیا طبیعت خراب ہے۔“

”سر میں درد ہوتا ہے تھی۔“ بیٹھ صاحب نے لاپرواہی سے
 دیا۔ ”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اب میں نے آئندہ کوئی سکرٹری نہ مگنے کا ارادہ
 ختم کر دیتا ہے۔ یہ ہو گا بکس نہ بکس کی باسری۔ یہ ہو گی کوئی سکرٹری۔
 ”یہ شادی کی درخواستوں سے میرا دماغ خراب ہو گا۔“

نفسری سبب سے زیادہ پسند ہے اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ایسا
غیر انہیں بچا سکتا ہوں پسند کہ یہاں تک تعلق ہے کہ ہر کوئی نہ عرضہ پسند
کرتے ہیں بلکہ اسے ملنا دوسرا مال میں شمار کرتے ہیں، صراحت کرتے ہیں، غالباً اس
کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص سے جیسے تاثری بھی استفادہ دونوں ایک ہی جیسے جلتے
ہیں۔ پھر سولہ ایک صاحب تیار ہے جتنے کہ انہیں بغلیں بچانے کا بہت شوق
ہے اور اس میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ تمام اشکروں میں بچا سکتے ہیں۔ بڑی
شکایت کہ یہ ہے جتنے کہ آج کل اس فن کا کوئی قدمہ دہن میں نہیں ملتا وہ نہ پڑنے
ملنے میں دستور تھا کہ یاد دہانہ کو نشہ اور غیر اچانکے والوں کے ساتھ ساتھ بغلیں
بچانے والوں کو باقاعدہ طرز رکھا کرتے تھے، میں نے سیکھا ہے اچھا یہ بتانے کہ
اپ انکوس کا خیال تین جہوں میں ہی رکھتے ہیں کہنے لگے انکوس کا خیال بچانے
کے لیے دنیا سے ٹھہری دلوں، بھیریں وہاں کی توڑی، دیر پوری کی بھار.....

”دیر پوری کی طہرہ شہنشاہ نے بہتے بہتے پوچھا۔

”مجھے بھی بہت تعجب ہوا تھا“ شیخ صاحب نے جواب دیا مگر انہوں

نے بتایا کہ اب تک تمام دیرینہ روایتی انتہائی جانب داری کا ثبوت دیتے رہے ہیں
حقیقت یہ ہے کہ میری کئی طہار سے زیادہ پہلا وہ ٹالہ تھی کوئی اللہ مال نہیں ہے۔
اب عزت کے مطابق یہ وہ ہی مال ہے جسے اگر مارا تو اسے پایا آدم کو گھیریں
اور انہیں کھانے پر آمادہ کیا تھا تو آپ کا یہ خدوم اس رنگ سمیت ہی ہر گھن کو میں
سنت سات سالوں میں گایا ہے۔ بلکہ ایک بار نواب دودھم بہتے تو غضب
کر دیا مجھے دھوکے سے دھوکے کے پیمانے جو ادا رہنے کے خواہی میں رہے
کہ ایک نہ وہ پورے ہو وہ تھکے ہوئے ہر گھن میں دلائیے گرا آپ کی دہلی سے
نہا پور سے جب انکوس کا خیال چھوڑا تو نواب صاحب دھوکے میں ہنگام لگنے
لے اور پوری محنت جو وہ تامل میں میرا دل سن کر وجد میں آگئی۔ نواب بیگم کو خبر
ہی تو نہ ہوئی کہ انہیں کہ خدا کے لئے لیو کہ وہ نواب صاحب ہی نام لگلیں

بہت دھلیں گے۔ یہ سب نے جلدی جلدی کر کے کوئی شروع کئے مگر جب تک چور
 نئے نکلے ہند میں، سزاوار خاموشی ہوا تو راب صاحب کی ادھی انگلیاں قاب گرفتار
 بدھوں کی مدد پر فوراً کر کے ان کے لئے ہر میں سے دو مری انگلیاں نکالی
 شہناز نے تڑپا ہنس رہی تھی۔ کالی بھی قہقہے لگا رہا مگر مدیم کے ہر
 پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی اور نہ اس نے جیسے ذرا سی ایک پھیلی ہنسی پر
 ہر چپکائے ہنسی تھی۔

”آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہیں میٹھے صاحب شہناز نے کہا۔ مگر
 صاحب کو بھی یہ طرح آپ سے غراں میں ملی ہے تو مجھے امید ہے کہ رشتہ
 اس میں نہیں رہے گی۔“

”مصلحت تو یہ ہی ہے شہناز جیسی کمال میاں کو جس باتیں
 سکھیں۔ میٹھے صاحب نے جواب دیا۔ محنت استقلال کثایت شعاعی وغیرہ
 بار سے میں ان کا خیال ہے کہ ان خصوصیات کو ہر شہت میں نہیں آتا ہے
 کمانے والے ہی میں جانتے گئے تو خرچ کون کرے گا یہ وہ نہ باب نہ
 نہیں۔ داد سے پرستے کو لٹا چاہیے۔ چنانچہ میں نے شادی کی اجازت
 کی امید میں دی ہے۔“

”میں آپ اسی طرح ہر جگہ میری بڑی کرتے رہتے ہیں۔ کالی
 بنایا شہناز نے کہا۔“

”مجھے آپ دل چاہئے میں جاسے بھوان بول۔“ وہ دھتے ہستے
 کر کے نہ بابر علی گئی۔

”اس سے بھی رابر صاحب۔“ میٹھے صاحب مدیم کی طرف متوجہ ہو کر
 مدیم کی خاموشی خاموشی دیکھ رہے۔“

کوئی خاص بات نہیں۔“ مدیم نے جواب دیا۔
 ”اب یہ تو آپ کی چھوٹ سی ہے۔“ کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

یوں جیسے نہیں، چنانچہ کوئی بات یاد آگئی ہے میرا خیال ہے کہ وہ چھوٹی سی
مدد ملی ہوگی اس کی وجہ سے شاید یہی ہو؟

خوب یاد ہوگئی سی گئی۔ تو یہ یاد آج چھ دن سے ۲۰۰۶ء کے صفحے نہیں گیا۔
تو کیا..... تو کیا..... ندیم اس کی وجہ سے نہیں گیا۔

”جی ہاں میری طبیعت میں ہر گز کچھ گری گری سی رہتی ہے۔ ندیم
سفر بتایا شاید موسم ہی کچھ خراب چلا ہے۔“

”جب لوگ صاف صاف کسی بات کا اقرار نہیں کر سکتے تو موسم کا ہونا
مغیر اسے کہتے ہیں۔“ کمال نے کہا۔

”میں آپ سے مخاطب نہیں ہوں کمال صاحب“

”میں بھی آپ سے نہیں ٹوپی سی ہے بات کر رہا تھا۔“

”اگر اسے کیا تم لوگ چڑیا کا سادول دیکھتے ہو؟“ سیٹھ صاحب نے طبیعت

کی اسپرٹس میں اسپرٹ سے کام لیتا تو جیسے جانتے ہی نہیں۔ معمولی سی بات

ہے۔ رخسانہ بیٹی کی شادی تم سے ہوگئی تھی کسی بھی وجہ سے کامیاب نہیں ہوگی

تو عقلمندی یہ بھی ہے کہ علیحہ سفلی سے آگے جو ہاؤس جو اب تک چمکے تو پھر ہی

بات پر تل چڑھا نا بالکل بیگناہ ہے کہ کسی سے شادی کیوں کہہ رہی

ہے۔ اسی طرح کمال بیاں نہیں بھی، حتیٰ نہیں ہو رہا کمال سے فتح و شکست کا

مسو جانور۔ لیکن یہ کی کہانی بھی، رخسانہ سے نہ بچے گی تو۔“

”تو کھڑے رخسانہ کسی حد سے زیادہ چالیں کی“ ندیم صاحب نے ہنس کر کہا

کو فکرت انسانی کا تنوع نفسی دیکھا ہے۔ تو پھر یہ چکر ایک دور پر بھی کیوں نہ گئے

”بالکل بالکل“ سیٹھ صاحب نے فوراً کاغذ میں سرٹکایا ”میں یہی تو کہہ

رہا تھا جتنی ہم ایک بار غریب تھے۔ پسند نہیں آتی تو اسے ترک کر دے گی جانتے

ہیں آخر ٹی تمہارے میں بیوی اور کار میں فرق ہی کیا ہوگا۔ ایک بھول کی ضروری

کہ پریشانی سنی کہ شادی تو غیر دوسری دوسری ہو جائے گی مگر چیزیں بیکار ہوں

”قلبا آپ کی محبت کے اسے میں فرما رہے تھے کہ سید علی نہری

پہلے۔۔۔۔۔

[illegible]

اور یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں جو حکم فرما رہی تھیں کہ جو نے کوسہ سے

24

”میرا خیال ہے کہ ہم بھی بچتے ہوئے وہ مگر آپ دونوں کا دل بکھڑا
 استعمال کی پیدائی کے بعد میں تو بچتا ہوں میں باتیں کر سکتے تھے خواہش میں
 کہ میں جب وہ چپکے ملتے تھے ہی ہنسا ہوا ہوا تو اس پر ہنسنے لگتا ہے کہ
 اصول نہیں کرنا چاہیے“

”آپ آدمی تو فحاشی سمجھ رہے ہیں مگر خدا دیکھتے ہیں کہ کمال ہے کہ
 ”پتھر“ کہ آپ نے غنیمت سے نظر ہوا پر اس سے جواب دیا ”بات یہ ہے
 کہ میں اس معاملت میں آپ کی طرح تجربہ کار نہیں ہوں“ اس نے غلطی پر جاتی ہو
 دیکھی اب بیکر کہیں بات کہہ رہے ہیں جس سے خواہ مخواہ مجھے قصہ
 پہنچتا ہے کمال بگڑنے لگے۔

”ختم کرو کمال! یہ بات کہ خدا بول رہی ہیں اب اس تو میں ہی سے
 غلط ہو چکی ہوں“

میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا، خدا تو یہ کہہ رہا تھا.....
 ”خدا کہنے لگا عرض ہو جاؤ کہ خدا کی آواز کیسے مانتے ہو گئے۔ کچھ پتھر
 ہم خدا سے کہہ رہے ہیں میرے ساتھ رہیں گے۔“
 ”یہ کہنے لگے کہ میں نے سن لیا کہ یہ کہہ لیا کہ خدا کی آواز سے
 دیکھتا ہوں پھر کمال کی تیزی سے گھبرا کر بیٹھنے لگا، ”خدا کا ہولناکی سے کہتا
 کہ کمال اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بھاگتا ہوا تھا کہ میں پریشان ہو رہی تھی اس نے
 ہاتھ پیرھا کر خدا کا نام لیا کہ اپنے دونوں اعضاء میں بکھڑا لیا۔

”اف کہہ رہا ہے ہاتھ تو بالکل برف پر ہے میں تو برف پر کھڑا کروں
 خدا نے کیا مسئلہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر چڑھ لیا۔

”ایک بات یہ چوں کمال“ اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

● 1997年10月1日

ہا کیا تم کی بی بی سے محبت کرنے ہو؟

۱۰۰ سوال جواب مجھ سے نہیں میرے دھڑکنے پر سے دل سے پوچھو خود
کل سے آواز کو پر ہلکے ہلکے سے ہر وہی کو شش کر ڈال تھی لیکن تو حاصل کی
خام ہی ڈیڈی سے معلوم ہوا کہ تم پر کیا حادثہ گھڑا ہے تم نے لیجے ایلو جی کو نے
کی ضرورت ہی نہیں تھی کئی مہم میں اگر شریف صاحب ڈیڈی سے میرے اور
تمہارے متعلق بات کو نہ دے مانتے تو ہم دن آج بھی بے خبر ہی ہوتے لیجے نہیں
معلوم تھا کہ تم لیجے تھانیز کھتی ہو معلوم ہے ان پانچ دنوں میں جب سے کہ تم اپنی
ڈیوٹی پر نہیں آ رہی ہو دن رات کا ایک ایک لمحہ میں نے تنہائی یلو میں تھا مجھے
تصویر سے باتیں کرتے ہوئے گھبراہٹ ہے آج ڈیڈی کا ہمارے میری اور ہوا ہی کی
جو شکایت کرتے ہوئے تھے اس کی وجہ بھی یہ ہی تھی کہ میں سے ہمارے دن سے آفس
میں قدم نہیں رکھا ہے۔ کوئی ایک قائل ہٹا کر نہیں دیکھا کسی ایک خط کا جواب
نہیں دیا میرے پر ڈاک کا ڈھیر اس بات کا گواہ ہے میرے حکم سے جس بلکہ
دیکھو کہ سبکی بہتر حالت دیکھ کر نہیں خود یقین آجائے گا کہ تمہاری بھائی کی یہ
گھڑی میں نے کسی عالم میں گزاری ہے۔ وہ دن سے پر کسی کے قدموں کی آہستہ ہی
آتی تھی تو یہ ہی گھٹ پر تاکہ شاید تم آگئی ہو پرانا مجھ کا بھی پوتا تو میں گھر کی
کھنڈ کر اس میں میں تنہا سے سطر جسم کی خوشبو ۔۔۔۔۔

”ملا عمری منت کرو کمال“ ”خدا نے بات کاٹی“ میں نے نہیں جیسے

مداو سے دعا ہے کہ ایک سوال پر چنانچہ ہر دو لوگ طریقہ پر اس کا جواب ملنا
پا سٹی ہو۔

تشریف کی سولہویں چھانچا مکمل ہونے پر کھانے پر تشریف لے گئے۔

میں نے پوچھا تھا تم مجھ سے محبت کو کتنے پروردگار نے بڑا ہے تم سے

اپنا سوال دہرایا

ان دل دیان سے :

”مجھ سے یا میرے حسین چہرے اور شکل مجھ سے“

آج تم کیسی باتیں کہہ رہی ہو

”میری بات کا جواب دو کمال میں آج زندگی کے دو لمحے پر کھڑی ہوئی

ہوں اور تمہارے جوابات میرے ہلکے قدم کی بنیاد بن سکتے ہیں“

”میں نے تمہاری مدح تمہارے بلند کردار، شریفانہ عذبات کو چاہا ہے

رخسانہ کمال نے جواب دیا ”میری نگاہیں ظاہر پرست نہیں ہیں، خجانی حسینہ

بھی بڑی تیر بھی میں دنیا کی حسین ترین عورت کو تمہارے لئے شکر ادا کرتا“

”تمہیں معلوم ہے میرا چہرہ آگ میں جلی گیا ہے“

”اور اب میں کچھ کمال اس کی بات کاٹنے پر تیار ہوں“ مگر میں خود ڈاکٹر

عباس سے مل چکا ہوں اور انہوں نے مجھے یقین دہایا ہے کہ خطرہ یا پریشانی کی کوئی

بات نہیں ہے، انہیں سونے کے بعد کمال کی کمری پر جا کر سوئے، میں نے

سے چھ لے لی بھی آگ لگنے کی وجہ سے، میں نے کمرے کی کڑی دیکھی

”کچھ ایسا ہی ہے کہ کمرے کی کڑی دیکھی، میں نے کمرے کی کڑی دیکھی

میں چکا ہے، مگر میں نے کمرے کی کڑی دیکھی، میں نے کمرے کی کڑی دیکھی

خوف تک چہرہ دیکھا تو کمرے کی کڑی دیکھی، میں نے کمرے کی کڑی دیکھی

میں نے کمرے کی کڑی دیکھی، میں نے کمرے کی کڑی دیکھی

”یہی تم میری بات کا جواب دے رہی ہو“

”ہیں..... میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارے چہرہ پر ہنس

سے نہیں تم سے محبت کرتا ہوں کیا پھر جس میں سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟
 ”ہاں رہ جاتی ہے۔“

مفتوح لوگوں کی کھٹنے کے بعد تم پہلے جیسی ہو جیسے یہ ضرورت صرف
 میری جہ کمال سے جواب دیا مگر اس کا چہرہ کسی بھی شے بالکل
 خالص تھا ایک گہری سانس سے کہ سر دوبارہ تکیہ پر آگے دینے سے
 کیا بات تھی کہ اپنے سوالات کے جوابات پاس کے بعد میں اس کو دل
 نہیں تھا کہ یہ سب میری کس بات کی تھی اس کا جواب خود وہ بھی نہیں
 جانتی تھی۔

میں ٹاکڑ صاحب نہیں آئے، خداوند نے اضطراب کے ساتھ ہی چلا
 وہ بادل صبح سے نہ جانے کتنی بدتر ہو چکی تھی۔
 میں نے پانچ منٹ پہلے ان کے کھٹک خون کی آغوشوں میں تکیا
 مگر جواب لا تھا کہ وہ وہاں سے پہلے ہی تھے میں بس اب پہنچنے ہی والے
 ہوں گے۔

”شہناز آیا کہاں ہیں؟“

”میں یہیں ہوں میری بہن، سر اے کمری ہوئی شہناز نے جواب
 دیا، ”تم پریشان مت ہو۔ غلام نے جلد سب کچھ کھٹک ہو جانے لگا۔
 ان شریف بھائی، ”خوش ہو جاؤ۔“

”وہ ٹاکڑ کہیں گے، حق ان کے ساتھ ہی آتے ہیں گے۔“
 اگرچہ کہ وہاں سے پر قہروں کی آہٹ سنائی دی، خداوند کا چہرہ
 عورت کھڑکیا۔

”ٹاکڑ صاحب آگے تب تھی ان کے منہ سے نکلا۔
 ”آج چارویں دن آگیا حال سے، ”میں نے صاحب سے دعا کی تھی کہ
 میں نے تمہیں دیکھا ہوں، ”میں نے کہا، ”پہلے آج کی۔“

مقررہ روز صبح اٹھتے ہی جب نگاہ جاتی تھی تو زیادہ جانا تھا کہ اس پر غصہ ہوتا تھا
پہلی کھلتے میں ایک دن بعد کم ہو گیا ہے کیا ابھی ڈاکٹر ملے گا میں نہیں آتی ہے
”اور آپ ہیں؟“ آہستہ سے رخسانہ کے منہ سے نکلا۔

”شریف صاحب ابھی لیٹے گئے ہیں، آتے ہی ہوں گے“ کال دے کر

جواب دیا۔

”تو میں کہہ رہا تھا بیٹی کہ میں روز صبح اٹھتے ہی کیفیٹہ پر گئے لیکن ابھی
بالکل اس طرح جیسے کچھ لوگ صبح اٹھتے ہی آئینہ دیکھا کرتے ہیں۔ ابھی وہم نہ
ہو کہ اگر صبح ہی صبح کوئی سٹوٹس عورت نظر آگئی تو تمام دن بوریٹ میں گھومتے
گھا۔ حالانکہ عورت کا بوریٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض چور سے جتنے سٹوٹس
ہیں اس سے کہیں زیادہ ہر جوتے ہیں۔ مگر تم نے تو سنا ہو گا کہ وہم کا تعلق
لہو کے پاس بھی نہیں تھا وہم کے برعکس بہت سے پرستار تھے۔ اگر
کینا ہے کہ وہم کا وہم تو وہی مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ
خجندی کے پاس کسی بھی بیمار ہی کا علاج نہیں ہے۔ بہت سے کوئی بیمار
ہر اس پہلے اس قول کی پھانسی میں لی گئی تو پتہ چلا کہ یہ قول بدلتا تھا ایک قسم کو
ہے احمدی کی وجہ طبعی دواؤں کی ادائیگی ہے۔ صاحب لوگ کہتے ہیں کہ وہم اور
علاج پر صبر کرو اور ہر روز دوا پیہ خراب کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں
ہانی بیمار ہی کے بدلے نئی بیماری سے زیادہ نہیں ہر نہ بعض ایک بیماری
صحت یاب جوئے تو وہم صریح میں جتنا ہو گئے اس سے ایسے ہرستے تو کسی ایک
گئی۔ اس لئے بعض حقوقی اصول ایڈمینیسٹریشن کا سہارا لے کر قول دے
ہیں جو پورا صحیح الدین کی کہانی میں پرانے چراغ کے بدلے نئے چراغ کی ضرورت
لگا یا کہ اس کا ہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ صاحب

لوگ کہتے ہیں کہ حسبِ ایمان و توحید کی گراں پیرا اہلیات کا یہ حال ہے کہ تو اُن کے پاؤں میں ملنے والی طبعی عداوتوں سے کیا امید ہو سکتی ہے شکایت اُنہی جگہ پر ہی ملتی ہے تو ان کی یعنی کونفشیاتی تھی۔ چنانچہ ملک کے سب سے بڑے دروہند طبعی دوا خانیہ کو جو کدو آیا تو اس نے کدو کی ادویات کی قیمتیں گرا کر آسمان پر چڑھا دیں دیکھا دیکھی وہ دکان نے بھی ایسا ہی کیا۔ تیرے خاطر خواہ پر کدو ہر ادب صاحب دکان نے تسلیم کر لیا ہے کہ جو تھیں سے دکان پر جیسے ترقی ہو رہی ہے وہاں جاسکتا ہے۔ درجہ عوام کو وہ اب اسس باند کے متعلق ہیں کہ جو تھیں دکانیں بھی ہیں دکانیں دکانیں سے بہرہ بر بائیں تو انہیں علاج و معالجہ کے محنت سے جو تھیں ملے۔ تو یہی کہہ رہا تھا کہ فاعل و مفعول بالکل ہی نہیں سے شکل کی کیوں میں کمال ہے علاج و معالجہ کا ذکر کسی سلسلہ میں نہ تھا۔ اور وہاں ہوں گی۔ بیشی رخسار کی ہیں کھیلنے کی بات نہ رہی تھی۔ مگر یہی ہے کہ میں کیسے کھیلے گی۔ ابھی ڈاکٹر صاحب بھی تو نہیں آئے ہیں؟

یہ لیجئے آگئے ڈاکٹر صاحب کمال نے نہ دانستے کی طرف دیکھتے چوتے کہا جہاں شریف ڈاکٹر صاحب کا بیگ اٹھاتے اور داخل ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس کے پیچھے تھے۔

مذہب سے مراد عقیدہ کرا یا ڈاکٹر صاحب شہناز نے مسکراتے ہوئے شکایت کی۔

مجھے آپ لوگوں کے اضطراب کا احساس تھا مگر ایک تو کینک ہیں دکانوں کا جرم آج کچھ زیادہ ہی تھا اور سر سے مجھے راستہ میں ایک دو ملائی تھیں بدنے کے لئے۔ کنا بھی پر ڈرا۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

”سب سے زیادہ ہماری جی رہنا ہے چہاں تھی۔ بار بار آپ کو بچے رہنا

حق! سیدھا صاحب ہوتے۔

”جی ہاں رخسانہ صاحبہ کی سب سے قیمتی تولا ہر پہلو ڈاکٹر صاحب سے ہے۔
ہنگامے ضروری چیزیں مکمل کر رخسانہ کے ہنگام کی طرف بڑھتے ہوئے ہنگام
آنکھوں کے پاس سے میں انہوں نے دیکھ دیا کہ ان کے خدشات بالکل بے بنیاد تھے۔“

”ڈاکٹر صاحب! آپ نے انہوں کی آنکھوں کی آنکھ نہیں متنی؟“
”جی ہاں“ اس ظاہر پرست دنیا میں عورت کا چہرہ ہی اس کے اندر
کی صفات سے بے بیشک ہے۔ نور آنکھیں بھی میری زندگی کو تاریک کر دیتیں گیں
میں نگاہوں میں اپنے لئے محبت کی چمک دیکھ چکی تھی۔ ان میں حقیت کی چمک
دیکھنے سے قویٰ جاتی۔“

”ایک حد تک آپ کا خیال درست ہے۔ ڈاکٹر صاحب! سب سے قیمتی چیز
میں کاٹتے ہوئے جواب دیا ”محبت کا قلعہ اول و آخر حسن و خرمصطفیٰ ہے۔
سجھا جاتا ہے۔ مگر حسن صرف چہرہ دل میں تو نہیں ہوتا۔ سیرت کردار میں بھی
ہے۔ جذبات و احساسات میں بھی ہوتا ہے۔ نظریات و خیالات بھی ایک
رنگتے ہیں انہیں ڈاکٹر بھی خوبصورت ہوا کہتے ہیں۔ بیشک بہت سی چیزیں
چہروں میں بھٹک کر رہ جاتی ہیں مگر رخسانہ صاحبہ آپ کو انسان سے الگ
نہیں ہونا چاہیے۔ ہر سکتا ہے کہ کچھ سلی ٹکڑوں کو آپ کا چہرہ دیکھ کر ہر
لیکن آپ کا حسن اگر صرف چہرے تک محدود نہیں ہے تو میں آپ کو کہتا ہوں
ہوں کہ آپ کا مستقبل تاریک نہیں ہو سکتا۔“

”آپ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔۔
رخسانہ پنا فقر و کمیل نہیں کر سکی۔“

”انسان کو بہت و استقلال سے علامات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔“

صاحب نے سنجیدگی سے کہا " میں آپ کی پٹی کھول رہا ہوں۔ ابھی چند لمحوں میں آپ خود سب کچھ دیکھ لیں گی مگر میرا یقین کیجئے کہ جو کچھ آپ کو نظر آئے وہ زندگی کا آخری باب نہیں ہوگا۔ "

کمال صاحب " رخصت ہونے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا " آپ کہاں ہیں۔ میرے پاس آئیے میں چاہتی ہوں کہ سب سے پہلے مجھے آپ دیکھیں۔ "

کمال نے آگے بڑھ کر خاموشی سے رخصتہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسی کے سامنے ہی چنگ کی پٹی پہن بیٹھا گیا۔ ڈاکٹر عباس چوری چھپائی کھول چکے تھے وہ اب چہرے پر مسکے ہوئے دل کے پیٹھ اٹھا رہے تھے مکتوب میں ایک کپڑا سکوت چھایا براعتا شریف شہناز میٹھ صاحبہ کمال سب کی نظریں ایک بیتابی کے عالم میں ڈاکٹر عباس کے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر صاحبہ بیٹھ اٹھا۔ اسے پہلے ایک لمبے لمبے رکنے اور پھر ایک لمبے لمبے رکنے کی جڑا بٹک دیکھنے والی " سٹیکوں اور رخصتہ کے چہرے کے درمیان مائل تھا میٹھ صاحبہ کیچھے بیٹھے شریفہ شہناز کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی تھی جسے رخصتہ کے ہاتھ میں اچانک بھلی کاکڑی لگی ہر کمال نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے چہرے پر نفرت و کراہت کے اثرات ابھرے تیزی سے کئی قدم پیچھے ہٹا اور منہ پھر کر کرسی کی کھلی ہوئی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

شہناز آگے بڑھ کر رخصتہ کمال کی طرف دیکھا اور ہوش سے متاثر لیا۔ " ہمدردی سے اسے غپکھنے لگی رخصتہ نے کمال کی طرف عمل بھی دیکھا اور شہناز کی نگاہوں سے چپکٹی ہوئی گہری افسردگی بھی اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ "

" آج مجھے آئندہ دیکھئے " اس نے چنگ پر ہاتھ کر سیدھے دیکھنے

جوسے کہا۔

شہنشاہ ڈاکٹر عباس کی طرف دیکھا۔
 ”یہ آئینہ دیکھو آپاؤں میں خود عکس کر دیکھ لوں گی۔“
 بلند ہوئی۔

شریف نے آگے بڑھ کر منگھا دیز سے آئینہ منگا کر شہنشاہ کے
 میں سے دیکھنا نہ ٹیک بھٹکا سا دکر آئینہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔
 کے ہاتھ آئینہ لے جوسے چہرے کے بال کاہلی اسٹے۔
 ٹیک لحو کے لئے دھماکہ کی لہروں آئینہ میں نظر کرتے جوسے
 عکس میں اہ بھر ایک ہی رخ اس کے منہ سے نکلی گی۔
 میں دیکھ سکی کہ یہی بھی مثال تھیں وہ سب کے لٹ جائے کا خم ہو رہا تھا
 ہاتھ سے چھوٹ کر ٹریش پر ٹوڑا اور ڈش پر ڈش ہو گیا وہ سب سے استعدادوں
 سے اپنا یہ صورت چھوڑ چھپا کر آئینہ بہار ہی تھی۔

سبھی غاروش رتھے کئی کہتا تھیں تو کیا کہتے ہمیشہ صاحب ایک سکتے کی
 سی کیفیت میں غاروش کھڑے تھے طرف سے سر جھکا کر سر پر ہاتھ تھا ڈاکٹر
 عباس بنایا گیا ہند کہ ہے تھے شہناز وہاں نہ خداد کی طرف ہاتھ پر جھکا کر
 کی بہت نہیں ہمارے ہی تھے اور کہاں... کئی بار ستر کھلی کھڑکی کے اس پر ہاتھوں
 میں کچھ ڈال کر کہا تھا وہاں ایک رخصت سے ہر حال چک سے تھی۔

ننگے حیرت سے کہیں غصہ نہیں ہوا تھا لیکن میں نے جیسے پہنچا آپ
 سے کہ "جیسے میں نے صاحب شادی کے وقت سے کہنے لگی تھی بھئی یقین دہایا
 ہے کہ وہ میرے چہرے سے نہیں ہوتی اور اس سے محبت کر رہا ہے۔"
 وہ تیرے پر جھکا کر کہا کہ قریب پہنچی اس کو کندھا پر ڈکڑ کر ایک جگہ سے
 اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

"میں تم کو یہاں منہ جھپا کر کھڑے ہو گا ان لوگوں کو بتا دے گیوں نہیں کہ
 میرے لئے میرے لئے کے دماغ نہیں ہو گئے ہیں یہاں تک کہ صحت یاب ہو گئی
 میں نے آپ کو ہم آ رہی ہوں تاکہ آپ کو یہاں سے لے دوں۔"
 ڈاکٹر صاحب کہنے لگے "میں نے ڈاکٹر عباس کی طرف دیکھا ایک رخصت سے ہر حال چک سے تھی۔"

اب کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

”مشکم ہے۔“ ڈاکٹر نے انسرور کی سے سر ہٹا دیا۔ ”بہ شک سر جری سے کمر
 اید ہو سکتی ہے مگر اس کے شے بہ انتہا خیر چ اور آپریشنوں کے ایک طرح سے
 کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی شاید خزانہ صاف ہو چیر و پیلے جیسا کہ
 ” تو پھر کیا برا بھلے کسی بہ شک سر جری کی ضرورت ہی کیا ہے؟
 تیزی سے کہا ” آپ ہی تو بتا رہے تھے ڈاکٹر صاحب کہ حسن صرف ہو سکتا
 نہیں ہوتا۔“

”بھلے انسو میں بہہ نہ خزانہ کمال سے بڑھ رہی ہے جی میں جواب دے
 اس انجام کے لئے تیار نہیں تھا مگر وہی راج و مہر کو تو برداشت کر سکتا
 مگر اس خوفناک چہرے کو جواب تمہارے شالوں پر رکھا جاسکتا ہے میں
 اپنی بیوی کی حیثیت سے متعارف نہیں کر سکتا۔“
 ”مگر تم نے مجھ سے ہر حال میں شادی کا وعدہ کیا تھا۔“
 ”خزانہ جیسے کسیوں کے رہتی ہو۔“

”میرا وعدہ نہیں چھوڑے گی ایک خزانہ سے تھا تم دو نہیں ہو کمال سے
 سے کہ ”مگر ہوتے تم کوئی اور بھلائی کے لئے بڑا بھلے کہ میں ایک خزانہ
 بدل میری نظریں چھوڑے آگے دیکھنا نہیں چاہتی۔ میرا خزانہ جہر کر تم
 طوق لینے کا خیالی قرآن کرؤ کہ تم میں ہی نہیں کوئی بھی نہیں آسکتا۔“
 پر تیار نہیں ہو سکتا۔

اور کبہ کر کمال تیزی سے باہر نکلا چلا گیا۔ خزانہ نے ایک
 تھک لگا۔
 ”تم نے ہی کیا کمال؟ وہ پتھر کر دی۔“ تم اسیان ہی اور میں جڑاں

اور چڑھ لی گاڑ شدہ ٹکڑیوں پر سگڑ مگر نہیں صوفیا نہیں۔ یہ ہی بات بحیرہ بیت
 پینے کہہ چکا تھا کہاں ہے دور۔
 دھماکے کر رہے ہیں چاندی طرف شکار و دھواں۔
 "نہیم" وہ پہلائی "آج تہائی گامیابی کا دن ہے یہاں آواز و کچھ کچھ
 پیشی کئی حرفت بہ حرفت ہندی پر چلی ہے۔ نہیم۔۔۔۔۔ نہیم۔
 وہ بھاگتی جتنی جیسے ایک دیوانگی کے عکاس میں گر رہے
 باہر نکل گئی۔



مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے مسکینی ہو " اور وہی آواز آئی
وہی دن ہو گئے ہیں کہ شہنشاہ کی کمر کھینچ کر لے کر گئے ہیں
ہی آگیا۔ کیا میں اس کے لئے کھڑی ہو سکتی ہوں؟
" تم جانتی ہو اور کہ میری شکایت ہو چکی ہے۔
" ہاں جانتی ہوں کہ قسمت سے تمہیں ایک بیوہ پرچہ کا شرف ملے گا
اور انتہائی کچھ بہت ہی لمبی " مگر مجھے اس کی پروا نہیں ہے اس کے
نے کہا تھا کہ تم اسے طلاق دے دے یہاں تک کہ تمہیں یہ بھی کہتی
تھا یہی شادی میں کوئی چیز روادار نہیں سکتی ہے۔
" ایک چیز ہے جو روادار بن سکتی ہے۔
" وہ کیا؟

" میرے لئے تمہارے نکاح کا اختلاف " یہی بات ہے اور لاؤ گے۔

Figure 1

میں اتنی دیر سے نہیں یہ ہی بات سمجھ سکی کہ کشتی گرہاں پہنچے گی۔
 "تم مجھے کیا سمجھاؤ گے مسٹر یحیٰ، تہذیبی حیثیت ہی کیا ہے؟" انہوں نے کہا۔
 "تمہیں تو اپنی خوش قسمت پر ناتواں چاہیئے تھا کہ میں ایک لکھنوی ہوں اور
 تمہیں اپنی توجہ کے قابل سمجھا ہی تھی۔ مگر میری غلطی تھی، خاکہ کے طرز سے
 اس زمان کے تمدن تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تم نے پہلے بہانہ میری وابستگی کا کیا
 وقت نکھو لیا تھا۔ وہ نہ تم سے اور محبت..... سوائے یہ دیکھ نہیں سکتا کہ
 اب تک بے شمار لکھنوی خیر خواہوں کو توڑ چکی ہوں۔ مگر مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ
 کلاریج تمہیں بھی نہ ضرور ملے گی نہ توڑ سکی۔"

ڈاکٹر نے دم کا دھڑکا، ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا ہوا، تھوڑے عرصے کے بعد
 کھائی پر چلتی باہر نکلے۔ رخسانہ جلدی سے ایک طرف بھاگ گئی، دوسری طرف
 نظر اس پر ڈالی اور تیزی سے گھڑائی پہلی گئی۔

رخسانہ چند لمحوں کے اندر سے کرسی پر گھڑی ہوئی تھی، یہی بھڑکاتے
 کرسی میں قدم رکھا۔ یہ ایک کرسی کی پشت پر سر ٹکاتے غامض و شامی
 سن کر اس نے آنکھیں کھولیں اور رخسانہ کی طرف دیکھا، ایک لمحہ کے لیے
 آنکھوں میں حیرت کے ناخوش، بھرتے سگرے میں نے کسی عرصے میں اس کا
 نہیں کیا۔

رخسانہ نے بڑھتی ہوئی بالکل اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔
 "میں بڑی کھلتے وقت اس نے قہار سے کرسی میں نہیں آیا، مجھے
 سے لیا کہ کہیں تمہیں اپنی نئی مسرتوں میں ایک پرانے علم کی غلطی
 پہنچنے لگے۔"

"آپ نے ناؤ کو گہری باتیں کر دیا، رخسانہ کہتے تو بہت کھلتے

نہ جاسے کیوں نہ ہم سکے ملنے آتے ہی اس کی حالت کافی پر سکون ہو گئی تھی۔
 ”میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔“
 ”تو پھر مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کیوں کی کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟“
 ”تم اسے میری حماقت کہہ سکتی ہو۔“
 ”مگر کیوں؟“
 ”شاید اس نے کہ تمہیں غصہ دہ سکوں۔“
 ”غصہ تو مجھے واقعی بہت آیا تھا۔“
 ”مجھے معلوم ہے میں دونوں مرتبہ وہاں چھوڑنے والی حرکت دیکھ چکا تھا۔“
 ”لیکن مجھے غصہ دہ نا ہی آپ کا غصہ تھا تو یہ مقصد تو پورا ہو گیا تھا پھر
 آپ نے اسے حماقت کیوں کہا؟“
 ”میرا خیال تھا کہ یہ غصہ رقابت کا ہو گا۔“ ”مگر نے اسے اس سے جواب دیا۔“
 ”مگر ظاہر ہے کہ جب تم مکمل کو اپنے ذہنی کے ماحولی کی حیثیت سے پسند کر چکی
 تھیں تو اس پر چاہی ہو یہ تو فی ہی تھی۔“
 ”تو آپ کو یہ شے کر تہائی سریت ہو گی کہ مکمل ماحول نے اس بد صورت
 چوڑی کو ٹھکرا دیا۔“ ”میرا خیال ہے کہ یہ شے ہو گی اب تو شاید مجھے غصے کے
 لئے بدلتا تک بدلنے کی ضرورت بھی نہیں ہو گی اب خود ہی مسدود تہ
 دیں گے۔“
 ”اس کے برعکس میں یہ چاہوں گا کہ اب بھی تمہارے لئے ہی غصہ پر
 نظر ثانی کرنا ممکن ہو جو اس کے بدلنے کے لئے چاہتا تھا مجھے اس غصہ پر میں
 نہ کر کے خوش ہو گی۔“
 ”یہ جان کر بھی کہ مکمل مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر چکا ہے۔“

ماکمل کے پاس پہنچنے والی نگاہ نہیں تھی وہ مجھ پر جان پڑا کہ اس ملک کی سیر
 کرتے ہوئے بعد تمہاری فطرت کتنی حسین ہو گئی ہے یہ تمہیں چاہیے وہاں
 یہ آپ میرے دوست چہرے پر ہم فرما رہے ہیں
 مگر تم اب بھی مجھے غلط ہی سمجھنا چاہتی ہو تو میری بات سنو
 یہ آخر آپ کیوں اس قدر فتنہ کو قائم رکھتے رہیں گی جو زبردستی آپ پر
 مسلط کر دیا گیا تھا۔

”اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں“
 میرے یہ باتوں کو کہتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ اختیار دھماکہ
 مل بھر آیا اس کی آنکھیں آنکھوں پر گئیں۔
 ”مجھ جانتے کے وجود کو تاجروں کو تہاد عدلی میں میرے لئے فرما
 بھی گئی تھی یہ نہیں ہو سکتی“ غصہ کہہ رہا تھا یہاں یہ چھوٹے کمال سے غرت
 کرنے کے باوجود وہ اس کی قسمت پر شک آیا ہے کہ اس سے تہہ کی بات
 یہ خوار مضبوط نہیں کر سکیں گے کہ وہ بدلتا ہوا فتنوں کے
 دھکے میں کامیاب نہ ہوئے تو اس نے نہ دوسری طرف کر دیا۔
 ”میری کوئی بات ناگزیر گزری ہو تو سعادت خود ہوں“ غصہ سے
 ہونے میں کہا تھوڑے دنوں میں تھا کہ میں تمہیں ملتا ہوں کہ اس کا
 میں چکا ہوں۔ آج ہی یہاں سے چلا جائی گا اس نے ایک گہری سانس لی
 جھاری میں رہی تھوڑے دنوں میں وہ واقعہ کی طرف چلا۔

”میں نے صاحبِ رخصانہ سے پھر بھی ہر گز آواز میں پکارا
”تم نے مجھے آواز دی؟“ کہیں وہ نہیں آگیا۔
”مجھ کو نے کہہ لیا کہ آپ اللہ سے محبت ظاہر کر سکتے ہیں تو آپ نے
یہ نہیں سہیا کہ ممکن ہے میرا متعلق بھی ہے۔ یہاں بڑے رخصانہ نے سر جھکا کر ہنسے
”ہر سہتا ہر سہتا میں کہہ۔“
”رخصانہ ایک عجیب حیرت و دل شکنی کے عالم میں وہاں کے تہ سے
نکلے“ سچا کہہ رہی ہو۔“
”مگر جواب کوئی دینا نہ تھا نہ تو نہ یہ کہے شگفتے پر سر رکھے غصہ بھاری تھی

خیرم جو دیکھ سکے ہے سچ سچ کرندم اٹھائی ہوئی رختانہ شستہ ہوئے
 کیسے میں داخل ہوئی تو وہاں شریف بھی موجود تھا ہندو دوران بیت تھیں
 لکھتے تھے
 یہ تپ لوگ کہیں نہیں رہتے ہیں یہ کہتے حیرت سے لڑتے
 ہے ایکسا بات شریف نے بھی ضبط کر لیتے ہوتے جواب دیا
 میں نہیں بتائی جا سکتی یہ کہہ کر لڑا
 یہ ہیں یہ شستہ ہو گئی کیا مطلب
 مسجد و جگہ کہ وہاں میں بھی رہتے ہیں شریف نے کہا یہ وہی ہیں
 میں اس کا مطلب ہے یہ کہہ کر لڑا
 مگر خیرم کو خدا کا شکر کہ اس کی کب سے حاصل ہوئی
 وہی جیسی سوال تھا اس نے جواب دیا شریف نے بتو دل بتو
 کی کو شش کی تم وہاں تو گیا تھا کیا تم کو شکر ہے
 یہ وہی کہیں دشمن سے ملائی ہوئی کہتم وہاں جہاں یہ کہہ کر لڑا
 خدا خیرم لوگ آج تمام کی زمین سے ہری ہون ملنے کے لئے شریف نے کہا

"ایں شریف شہر میں چھپ گئی۔
 "کہیں رخسارہ شہناز نے پوچھا "یہ کون سا کچھن ہے؟
 جواب میں رخسارہ شہناز کہنے لگی کہ یہ
 "موجودہ وقت و وقتوں میں بات بات پر جو شہر ہزار ہائی تھی مگر شہر نے پوچھا
 "وہ کچھن؟ وہ کچھن کے لئے یہاں چھپ گئی تھی۔ "یہ کچھن جو اب دیا
 "مگر یہ اب نہیں اپنے موجودہ رشتہ پر کئی اعتراض نہیں
 "بالکل نہیں۔ "یہ کہنے کیا "بلکہ کشمیر میں کچھن کے لئے دعائیں مانگیں
 "تھے کہ خدا آئندہ بھی آپ کو ایسے نیک کاموں کی آفرین دیتا رہے۔
 "نو پھر میں دعاؤں میں اپنے اپنے والدین کو بھی شامل کر لیا مگر وہ مسکرائی
 "ہیں یہ ایک سسٹم فرم ہے۔ "یہ کہہ کر انہی میں کا مطلب نہیں اسکا تھا۔
 "مگر یہ ہے کہ رخسارہ جیسے بہو پا کر بھی یا اکہلے زیادہ دنوں تک ناراض نہیں
 "رہیں گے۔
 "ناراضی شہناز نے ایک لمحہ لگایا۔ "حق آدمی یہ رشتہ ہے
 "پہلے تو دھڑکیں ملنے لگے تھے۔
 "کیا؟ "ندیم لاہور خاندان کے شہر سے ہر ایک وقت سکون و سکون
 "حیرت زدہ نظر آ رہے تھے۔
 "جی جی صاحب شہناز جیسے خوشی میں کھنسی جارہی تھی "تمہیں معلوم ہے کہ
 "دامین شہناز کی خالہ کی کہاں کرنا چاہتے تھے؟
 "ہاں۔ "اس وقت کلمہ احمد صاحب کی صاحبزادی سے نکاح فیصلہ ہوا
 "مگر صاحبزادی کا نام معلوم ہے نہیں؟
 "نہیجہ کی عزت مستحق معلوم کر سکی۔ اب آپ نے کیا سوچا؟

پہلے

”رخصت نہ، شہناز کھل چکا کر نہیں پڑی۔“

”نہیں، ہم نے منہ پھاڑ کر عمامہ کی طرف دیکھا، جواب پڑے سے

کعبی، شراد و مسرود و طبعی فکر آدمی نفس۔

”نہیں کیا، کہا ہے سنا ہے ہی تو کھڑی دیں اور مجھ کیوں نہیں دیتے۔“

اور آپ کو اتنے دل سے یہ بات معلوم تھی عمرہ حج کیا ہی ہیں۔

”اے لڑکھ بتا! ہم نہیں ہے عاجز وہ ہے شریف ہم خوار و تواضع

U.S.

کتاب

۱۔ مطلب یہ کہ کرم تمہیں ایک ایسے ڈاکٹر کا پتہ بتا دیں جو تمہاری حالت

میں دین کے سچے پیروں کا رہنا ہے تو کیا انعام دے گا؟

خبردار

میں صاف کہیں گے کہ ہم ایک دم سیدہ ہرگیا آپ کو ملانے میں ہیں۔

بات نہیں کہتا چاہیے مجھے یہ چاہا ہے وہ دھوکہ سمیٹ رہی ہے۔

یہ پریشانی نسبتاً ہے۔ قاتل کرنے والے پر ہی بے حد غمیدہ ہوں۔

شریعت نے جانیں بچنے کے لیے

وہی کہ سب سے پہلے جیسا کہ چاہئے

خوش پرست

۵۵۴ ہم پھر پچھلے کی طرح مغزوہ بر باد کی "تیمم و صبح تک سیدہ" کا نام

نیو یارک میں

سید محمد آغا صاحب قریہ تہذیبیاتی شریف سے ملاقات

اسے اپنی بیوی کے حسن سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔
 "بھگت چیتا بن لی چلا ہے ذم صاحب مرخاہ نظری بھکا کر بنی اب
 آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اپنے پرے سے میں سری وکشی
 اس نے ہے کہ اب وہ آپ کی طبیعت سے اس میں کوئی غلاب چیز آپ کے پاس
 دیکھتا نہیں چاہتی۔"

"میں نہ دیکھتا ہوں" شریعت پھل پٹا "قسم خدا کی اس کہانی کا سر میں آپ پر ہوا
 ہے کہ اب وہ پر ہونے والا دیکھتے ہو۔"
 "یہ بات ہے تو ضرور بتائیے اس ڈاکٹر کا نام" ایم نے بھی مسکراتے
 ہوئے کہا۔

"ام بات کی میں سرحد پر ہے جہاں صاحب
 مریضوں کے کہ آپ مجھ سے دیکھا پڑا قرض و سول کو ہے ہیں
 بالکل بھلائی دیکھتی ہو کہ وہ شریعت کے جواب دہ
 "اپنی بات سے نہیں میں لی جانتے گی؟" ایم نے جیسے غیر آسانی پوری
 "بائیے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔"
 "تو عرض کرتا ہوں کہ وہ عادی ملک آپ کے سامنے کر رہا ہے۔"
 شریعت نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے غصے سے فرمایا کہ اب میں کیا
 کیا "میں یہ کہتا ہوں" سول ولاقوہ میں واقع گدھا چوں رہتے ہیں
 اپنی سچیائی میں سمجھ گیا۔
 "کی سمجھ گئے آپ کو خدا کے جلال سے پر ہوا۔
 "میں میں ایم قدم پر جا کر خدا کے قریب پہنچا اور وہوں ہاتھوں
 میں اس کا چہرہ سن کر خوش سے دیکھنے لگا۔"

”اسے کہتے ہیں کہ یہ آپ کی کہہ رہے ہیں۔“ رخسانہ شرمائی۔
 ”مظہر و آؤ خدا“۔ ”تمہیں نے یہ ملو غرضتے دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ دروس
 غور سے رخسانہ کے کہنے سے بھیجے ہوئے ہمارے دشمن نے کچھ کھریا ہر عقلی
 کہ مدد سے ایک ہر ایک سے محفل پڑھ کر کھینچ لے رہا ہے۔“ کے منہ سے ایک جلیبی کی
 جیسے نکل گئی۔

اب پھر ایسا معلوم ہوا کہ جیسے چاند پر چھائی ہوئی سیلاب دہلی ۷۷ بڑی
 بجلی گئی ہو۔ محفل بند کر دیم نے رخسانہ کو کہتے کہ اپنے سے جدا کر دے۔
 ”بھگے پہلے ہی سمجھ لیں چلیے۔“ حال ایک ماہر میک اپ جوں کے گھر میں
 تو آگ لگا دیا۔ بڑا مضمری ماسٹرم ہر مل تھا۔ ”میرم نے شریف کی طرف سے
 ہوسٹنگ کیا۔“ پھر آپ دونوں بھی کچھ کھانا کھا کر معلوم ہوئے۔
 پھر مل اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے ترکیب و طبع ہو چکی تھی۔
 ”یار دیکھ، شریف نے سنا کھایا۔“ یہ سارا واقعہ تھا ہی بھائی معلوم
 ہوتا ہے۔ کجھت شریفیت کا تو حال تھا ہر ان کر دیا۔

حرف سے بھی ایک ایک سکتے کے سے عالم میں آیت میں اپنا چہرہ
 رکھ دی تھی۔

” تو تو کیا میں کچھ نہیں ملتی تھی؟ اس
 نے شہناز سے پوچھا۔

” نہیں میری بہن! اس مرتبہ شہناز نے اس کے سے دیکھا۔ میں
 نے اس وقت تک ہی صبر نہ کر رہی تھی کہ کچھ کی بجائی جاسکتے تھے، شہناز کی
 تھی، اس وقت تک صبر نہ کر رہی۔“

آپ کے یہی خطر کی شہناز کی تھی آپ! ” دوسرے کو بھینٹے
 ہوئے کیا اگر کوئی میں اس میں کوئی غلط فہمی کا شکار تھی تو۔“

” تمہیں دیکھتا ہے ہی کون دیکھتا ہے لوگ سائے کی طرح تب سے ساتھ
 جتے شہناز نے جواب دیا۔

” ہاں! ” دیکھتے شہناز کو گھورا ” اس کا مطلب وہ کہ آپ ڈانٹاں گے دم
 میں بھولے والے ہیں سے بھی واقف ہیں۔“

” اہ! میرے بھولے بھلا شہناز نے پیار سے ہم کے گل پر ہمت
 دی ” دیکھو یہ کون سا کون سا بات ہم میں سے ہے۔“

” میں تو کہہ رہی تھی کہ آپ کو کامیاب ہے یہی سن کر

مال و محال سے مشرف بننے ہوئے بود "پھر مال اپنی تندی سے مل چکی ہر تو
 فردا ہماری طرف بھی دیکھ کر خسانہ نہیں۔
 رخصانہ مشرف کی طرف گھومنے لگی تھی کہ ندیم جلدی سے
 درمیان میں آگیا۔

"اے اے کی غضب کرتی ہو" اس نے دوپٹے کا ٹکڑی بچ کر بالکل
 منہ چھپا دیا۔ "ابھی تو شریف بھائی سے پانچ روپے دھول کرے" اس نے
 نے شریف کی طرف دیکھا۔ "منہ دیکھائی نہ کھائے" دوبا بھائی اس کے بغیر وہ
 نہیں ہو سکتے۔

"اے اے سے متباداں مشرف نے سر پکڑ لیا۔ "یعنی پھر سو کا خسانہ
 دے دو ہم نہیں دیکھتے۔"
 "جی نہیں" احمد بھی دیکھتا پڑے گا۔ "اے اے دھول بھی دینا ہر شریف
 مگر تو بروستی ہے۔"

بالکل زبردستی ہے "شہناز نے شریف کی جیب پر چھپا لیا۔
 "جی پتیکہ تھا وہ ہی ہے" ہوا میں گئے "شریف نے شہناز سے
 "دو روپے بھائی جب ساری تعداد ایک طرف آگئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"
 اس نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکالا۔ "خدا دے کہ قریب ہو
 منہ پڑا ہوا روپہ دھول دیا۔ "خسانہ نے نوٹ سے کرسمس کیلندری کی
 کی طرح شرمائی۔

"اے اے میری طرف سے" شہناز نے پتی، انگلی میں پہنی ہوئی سیسکا
 انگوٹھی نکال کر خسانہ کو پہنا دی۔
 "اس کا مطلب یہ ہوا۔" بھانگ ندیم برلی تھا "کبے ہر وہاں

میں مارا گیا۔

اور یہ مٹتے ہی شریف پر درود و قہقہوں کا درود پڑا گیا۔

”یعنی میں نے کوئی سحر کے کا لطف سے مراد سے کیا؟“ ”نہیں، حیرت سے پرچا
 گیا، پچھتے ہو بھائی، کو تم دونوں کو مارنے کے لئے ہمیں مارا گیا، پچھتے ہو
 ہیں۔“ ”خود دہی نہیں پڑتا، پڑتے ہو سنے لورا۔“

”جی“ ”ذیم کی حیرت دیکھنے کے قلاب تھی۔“ ”پارہ۔“

”اور نہیں تو کیا؟“ ”شہر ہٹنے جواب دیا، تم دونوں ہٹنے کی طس طرح
 اڑ گئے ہو سنے تھے۔“ ”یہ کہ بھلا ہی دل جانتا ہے کہ بیٹھنے سے تھکیاں دھکتی ہیں۔“
 ”میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا، ذیم سنا۔“

”تم بھول گئے سارے ماحول، یاد دل دیکھ اب میں بھی نہیں تو کر سکتا
 نہیں ہیں۔“ ”شریف نے جواب دیا۔“ ”لات آباد آئے تگ کہاں بنے شک تہا کلاڑ کٹی
 تگہا چل دی تھی، سگر اس کے بعد کو تمام سگری پے کہاں، کھلے، ادا کھس سیت
 فریق یہ کرسدی خوشنگ میں سنے، وہ کیکٹالی ہے۔“
 ”مگر آپ یہ کتنا جانتے ہیں کہ.....“

”مگر وہ کیکٹالی“ ”شریف نے ذیم کی استکاٹنے جوتے کا کڑی کے بیٹھ
 ”جس کے ماحول سے کھل اور میں اور وہ قلاب سگری کے ماحول سے کھلے
 ”کہاں آرٹسٹ اس ڈر لے میں جوتے سے ہے تھے۔“

”خسٹہ ذیم پر لڑیے حیرتوں کے پہاڑ سے تھکا رہے تھے، وہ لڑی جوتے
 ”گشتہ رنگہوں سے شریف کے سکل نے جوتے پھر وہ کڑی کے رہے تھے۔“
 ”تم وہ لڑی کی باتیں اور سفر کی داستان سننے کے بعد میرا اور شہزاد کا حلقہ
 ”یہ تھا کہ تم وہ لڑی کے دوسرے کی جست میں بری طرح گر نڈر ہو شریف کہو۔“

مقام گریک دوسری کی ضد یا بجھ میں اپنی بہت کو نفرت یا بیگانگی بکپیر میں
 میں چھپاؤ کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر ایسی صورت میں نہیں تبدیل سے علی پر چھوٹا
 جاتا تو خطرہ تھا کہ کہیں اس جھوٹ اور بناوٹ کی خاطر اپنی اپنی زندگی تباہ نہ کر دیتے۔
 چنانچہ میں نے اس شہناز سے سرحد کر اس سسٹم کو علی تلاش کیا۔ اپنے کچھ اداکاروں کو
 کو جو کہ یہ فکر تیار کیا تیس بیٹھ صاحب کی کوٹھی میں خدمت و بکالی دہائی یہ ہی
 طے تھا کہ کل دشنام کے ساتھ ساتھ اندیم کے ساتھ اس طرح پیش قدمی میں
 سے تم دونوں۔ لیکن لگو کہ تم میں سے سرانیک کی توجہ کسی نہ کسی کی طرف منہ دل
 ہو گئی ہے۔ اچھے خوشی ہے کہ ان روکی سے ہمیں تعاون کیا اور ان کی مدد سے یہ ملک
 ہر سا گزشتہ اپنی نفرت پر بناوٹ کو چڑھا برا لکھنا آتا کہ سرانیک دوسری سے کو
 صبح دل پر بکنے کے قابل ہو سکے۔

شریوں کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی گئے کہ گریک کا وہ زمانہ ایک ہی ہے
 لکھا اور بیٹھ صاحب نے اگلے تا وہ مدت تو یہ ہے کہ اگر وہ اس میں سے کچھ نہ لے
 لگاتے نہ گھس آتے۔

اور میری بھانجی جو کہ توہمت میں داخل ہوں گی شکوہ سے دشمن سے
 چلے ہوتے گئے ہیں ان کے لئے کسی شہر زادہ سے نکاح نہیں ہوا
 شہر زادہ - خیر جو کہ شریف کی طرف نکلا وہ آپ کو اپنے خوشی ہو
 تو قسم شریف بھائی خدا کر حاضر و ناگر جان کر یہاں اسی سے تہنیت کہ ہماری شاہی
 برکتی ہوگی یہ کہیں رو کا فی صاحب بھی کسی دروازہ سے توراہ پر حاشی کہ
 ایک غیر بھڑا بھڑا بھی ہو

میں ساری شرمی برا جو گئی شریف نے بجا اختیار منکر ہے ہرے کہا لکھو
 نہیں پر خود اند شادی تہادی سولہ آسٹہ پکی سپہہ ابستہ و ڈی لیس پی کا فون ٹیرو
 سبہ فرام تھا یہ بھی کی پر میں کو تم کو گن سے کوئی دیکھی نہیں ہے
 یہ شہ تیرا شکر ہے یہ یہ نہ دیا کچھ انداز میں اچھا اچھا ہے
 تو بھائی تو میں کہہ رہا تھا کہ جس طرح پک پندو دھار نے بیٹی رخسار اور بیٹے
 ندیم کی جوڑی ملی اسی طرح سب کی مرادیں برائے بیٹھ صاحب نے موقع پا کر
 بولتے ہوئے کہا "انہو میں دو گئے نصیحت کے اس حدیث سے بھی مختلف عاؤں پر چلا
 کہ میں نصیحت پر رویش کا کوئی دور ویش نہیں
 ہوں مگر

"اور میرے باپ کا دل ہے سیٹھ صاحب کی بیٹھ پر ایک دھبہ بھائی صاحب
 کا لکھ خیر کہ وہ کلم ملکی ہو چکی ہے سب سے بدوہ پر وہ تم سے ہی
 کیا ہے، برائے برائے تھے تو یہ بھی کو کسی دور سے کو نہ مکرنت کا مرقع لی جاسکے
 اور پھر کوئی ڈھنگ کی بات بھی ہو۔ نہ سر نہ سر نہ منہ میں آہستہ سے بچھڑ جائے
 "یہ شہاب تم بھی باپ پر دھوئیں جلاوہ بیٹھ صاحب مسکرتے
 "وہ دن بھول گئے جب کلب میں ندیم صاحب نے بچہ بھائی کی ملائی تھی
 "قسم خدا کی شریف بھائی نکالی سے ایک ٹھنڈی سانس چوری "اسی نے بھی
 فلموں میں دل کا گیر پکڑ کر سٹہ ہستے گریب تک کسی پیر و سٹہ ہستے سے ایسی راز
 نہیں مانی ہر وہ چیت بھی ہم بھائی سے اتنی صفائی سے لگائی تھی کہ کبھی آخر
 تک یہی شہ ہر ادا ہر کہیں کسی صفائی شراوت کو نہیں تھی وہ تو جب خود انہو
 نے اقرار کیا تب یقین آیا۔"

نہیں تو پھر حرم میں ہو گیا "لہذا وہ درمیان میں بولتے ہوئے کہا "مگر

میں ابھی تک حیران ہوں کہ مجھ سے کسی بڑے بھائی کا کیا حال... میں نے
خدا کی طرف شکر و نظروں سے دیکھا ہے۔ یہی تھا کہ خدا نے مجھ کو بھی دعا کی تو نہیں

تھیں؟
بالکل۔ ہی میں کی جانب نکلا اور وہ مجھے لہٹیں ہے۔ وہ دونوں میاں ہو گیا

ہی کہتے ہیں؟
خدا نے فرم ہے ڈیڑی ہو کر رہ گئی اور پھر صبح شام کو ندیم اور خزانہ
لیکھ رہے ہیں۔ فرسٹ کلاس ٹیکٹ میں بیٹھے ہیں۔ سفر کر رہے تھے کہ اس
سورہ وہ دونوں سفر کی تھیں کہ سفر کی طرف بھاگ رہے تھے۔

ختم شد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین

بلاشبہ دورِ حاضر ٹیکنالوجی کی بے بہا ترقی کا دور ہے۔ نت نئی ایجادات نے انسانی زندگی کو حیرت کدہ بنا دیا۔ موبائل ہی کو لیجئے، ابھی ایک ماڈل کا استعمال سیکھ رہے ہوتے ہیں کہ نیا ماڈل مارکیٹ میں کود پڑتا ہے اور یہ بوسیدہ نظر آنے لگتا ہے۔ پھر جوں توں کر کے نیا خریدتے ہیں۔ لیکن ترقی کی رفتار پھر بھی کہیں زیادہ ہے۔ ہم اس سے آگے نہیں نکل پاتے۔ مشینری اور ٹیکنالوجی کی اس دوڑ میں پیچا رہ ”دل“، جو ادب آشنا ہے، جو محبتوں اور چاہتوں کا متلاشی ہے، پست چلا جاتا ہے۔ میرے خیال میں ہر دل میں اللہ تعالیٰ نے ادب کا ایک گوشہ رکھا ہے۔ اور اس کی تشفی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اسے یہ مہیا نہ کیا جائے۔ یوں تو ادبی ذوق کی تشفی کے لیے رنگارنگ ناول اور نظم و نثر کی بے شمار کتابیں موبائل ایپ کی صورت میں پلے سٹور پر موجود ہیں۔ لیکن اہل دل کی ضرورت کو پورا کرنے کی کچھ اس طرح کوشش کی ہے کہ آپ اپنی چاہت اور مزاج کے مطابق ہر طرح کے ناول اپنی موبائل ڈیوائس میں پڑھ سکیں۔ ایک چھوٹی سی ایپ میں انمول ناولوں کا خزانہ پیش خدمت ہے۔ اس ایپ میں ایسے ناول بھی شامل کئے جا رہے ہیں جو آپ کو پلے سٹور پر نہ مل رہے ہوں۔ ڈاؤن لوڈ کیجیئے، انسٹال کیجیئے، دوستوں کو بھی دعوت دیجئے۔ اور پلیئر ریٹنگ میں کنجوسی کا مظاہرہ نہ کیجئے۔ اگر آپ بھی رائٹر ہیں اور اپنی کتاب، تحریر یا شاعری پلے سٹور پر پبلش کرنا چاہیں تو مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

دعاؤں میں یاد رکھئے گا

رضوان شارق

بہترین اردو ناولز کے لیے
اس بٹن پر کلک کریں

URDU NOVEL COLLECTION